انوار الحق

تالیف

حضرت العلامہ عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر
شیخ الاسلام امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز
بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔الہند

باہتمام: طلباء جماعت فاضل سنہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

ناشر

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔الہند

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

(سورہ آل عمران۔8)

انوار الحق

تالیف

حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ **مولانا حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی**ؒ

فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ

باہتمام: طلباء جماعت فاضل سندی ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

ناشر

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

حیدرآباد۔الہند

نام کتاب : **انوارالحق**

مصنّف : حضرت العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ
حافظ امام محمد انواراللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز

صفحات : ۱۲۰

تعداد : ۱۰۰۰

طباعت : بارِ سُوّم

سن طباعت: ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

طباعت مطبعة ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد

قیمت : -\80 روپئے

ناشر : (مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ)

ملنے کے پتے: **دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ**
حیدرآباد ۵۰۰۰۶۴ ‘اے پی‘(الہند)
فون: 24576772 ,24416847 فیاکس:24503267
ویب سائیٹ: www.jamianizamia.org
ای میل : fatwa@jamianizamia.org

۲۔ شیخ الاسلام لائبریری اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن، عثمان باغ کاماٹی پورہ، حیدرآباد۔9701223435

۳۔ ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر۔040-64534568

۴۔دکن ٹریڈرس عقب M.C.H آفس چارمینار۔040-24511777

۵۔عرشی کتاب گھر۔ 9440068759

۶۔کاظم سیریز۔ 9177396593

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرض حال

از: زین الفقہاء حضرت مولانا مفتی خلیل احمد، شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد

جب فتنہ قادیانیت اٹھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی نور اللہ مرقدہ جامعہ نظامیہ نے اس فتنہ کی پہلی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' کے رد میں ایک مدلل کتاب تصنیف فرمائی جس کے جواب میں قادیانیوں نے ''تائید الحق'' لکھی تھی۔ پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس کا دنداں شکن جواب ''انوار الحق'' کے ذریعہ دیا جو ملک و بیرون ملک میں اس فتنہ کا سد باب کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ خاص طور پر قادیانی فرقہ کو خارج از اسلام قرار دینے میں بنیادی حصہ ادا کیا۔

عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی۔ چونکہ بعض گوشوں سے پھر یہ فتنہ اٹھ رہا ہے، اس فتنہ کے سد باب کیلئے اس کی شائع کرنے کی ضرورت شدید لاحق ہوئی۔

اس کتاب کو طلبائے جماعت فاضل سندی ۲۰۱۴ء جامعہ نظامیہ نے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور باجازت مجلس اشاعت العلوم منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور تمام مسلمانوں کو فتنہ قادیانی سے محفوظ رکھے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیہ الرحمۃ کی دیگر تصانیف افادۃ الافہام حصہ اول، دوم بھی قابل دید ہیں۔ اس میں کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اسی طرح مقاصد الاسلام گیارحصے، حقیقۃ الفقہ دو حصے، انوار احمدی، الکلام المرفوع وغیرہ کا مطالعہ ایمان میں تازگی کا باعث ہوگا۔ یہ سب کتابیں مجلس اشاعت العلوم میں دستیاب ہیں۔ فقط

مفتی خلیل احمد

شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد الہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔ پیشتر ایک رسالہ مسمی بافادۃ الافہام لکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس میں ازالۃ الاوہام کے ان استدلالوں کا جواب دیا گیا جو مرزا صاحب نے آیات قرآنی سے کیا۔ اس کے بعد تائید الحق مصنفہ مولوی حسن علی صاحب لکچرار دیکھنے میں آئی جس میں انہوں نے ایک لمبی چوڑی تمہید کر کے مدبرانہ انداز سے مرزا صاحب کی تائید کی اس تقریر کا یہ اثر دیکھا گیا کہ ہمارے ہم مشرب بعض حضرات بھی اس کی تحسین کرنے لگے اور تعجب نہیں کہ اس نے بہتوں کو متزلزل کر دیا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بعض جادو بھری تقریریں ایسے ہی پر تاثیر ہوا کرتے ہیں کہ دلوں کو ہلا دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے **" وَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لسحر "**(صحیح البخاری، کتاب الطب، باب من البیان سحرا، سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشدق، باب ماجاء فی الشعر) مگر جب اہل انصاف طالبین حق کے روبرو اصلی واقعات اور ملمع سازیاں مقرروں کی بیان کی جاتی ہیں تو وہ فوراً اپنے خیال سے رجوع کر جاتے ہیں اور جو لوگ نفسانیت کی راہ سے سخن پروری میں پڑ جاتے ہیں وہ اُسی خیال پر اڑے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پُر اثر تقریروں کے زور سے مذاہب باطلہ بکثرت بنتے گئے اور عوام الناس کبھی ان کے دامن میں آ بھی گئے تو علماء کے سمجھانے سے پھر راہ راست پر آ گئے لیکن چند سخن پرور انہیں خیالات پر جمے رہتے تھے جن کے اتباع' ان مذاہب کو زندہ رکھنے والے اب تک موجود ہیں اور ہر وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اُن باطل مذاہب کو ترقی دیں۔ الحاصل جب کبھی نئے مذہب کی بنیاد پڑی تو علمائے حقانی نے اُس کے قلع و قمع کی فکر کی اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کا اثر بھی ہوتا گیا کہ عموماً وہ مذاہب باطلہ کے لقب کے ساتھ مشہور رہے اور اہل انصاف و

حق پسند اُس سے محترز رہے۔ فی الواقع یہ عُلماء کا فرض منصبی ہے کہ بقدر وسع، حق کی تائید میں کمی نہ کریں ہر چند اس نوایجاد مذہب قادیانی کے رد کی طرف بعض علماء متوجہ ہیں مگر بحسب اقتضائے زمانہ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں باطل کا شیوع ہوگا کچھ تو عموماً طبایع ہی ایسے امور کی طرف مائل اور متوجہ ہیں اور کچھ تقاعُد علماء کے وجہ سے اِس مذہب کی روز افزوں ترقی میں کمی نہیں ہوئی چونکہ ایسی بدعت تازہ کی شیوع کے وقت ہر شخص کو ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے روکنے کی فکر کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کے فتنوں کا شیوع لازمی ہے کیونکہ کچھ نہ ہو تو اتنا تو ضرور ہوگا کہ "**من کثر سواد قوم فهو منهم**" کا مصداق بنیں گے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تائید الحق کا بھی جواب لکھوں اور اُس کے ضمن میں ازالۃ الاوہام کے بعض مباحث پر بحسب ضرورت بحث کروں جس سے حقیقت اس نئے مذہب کی کھل جائے اور اہل انصاف و طالبین حق کے بکار آمد ہو۔ **وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَق وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْل وَ مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلاغُ**۔

مولوی صاحب نے تمہید میں پہلا عنوان یہ قائم کیا کہ سچے خیر خواہوں کے ساتھ ہمیشہ کیسا سلوک ہوا اس میں بہت سی نظیریں پیش کیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تکفیر و تفسیق جو ہو رہی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے اس موقع میں ہم یہ بیان کرنا نہیں چاہتے کہ مرزا صاحب کیسے شخص ہیں اور ان القاب کے مستحق ہیں یا نہیں اس وقت ہمارا روئے سخن صرف اُس تمہید کی طرف ہے کہ آیا وہ مسکت حضم ہے یا نہیں۔ کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اب تک کوئی زمانہ نہیں گذرا جس میں مفتری کذاب بے دین پیدا نہ ہوئے اور اُس زمانے کے عمائد دین اور علمائے حقانی نے ان کی تکفیر نہ کی ہو۔ جتنے مذاہب باطلہ آج کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں سب کے موجد زمانہ سابقہ ہی کے لوگ ہیں۔ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے لوگ اُس زمانے میں نہیں نکلے یا ان کی تکفیر نہیں ہوئی نہ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تفسیق بے موقع تھی۔ کیا وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کیلئے اپنی مظلومی بیان کر کے

اسی قسم کے استدلال نہ کرتے ہوں گے۔ پھر کیا اس قسم کے نظائر حقانیت پر دلیل ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی گئیں وہ ایک قسم کا عذاب الٰہی تھا جس کی طرف اشارہ اس آیت شریفہ میں ہے "وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورہ سجدہ۔21)" یعنی چکھائیں گے ہم ان کو چھوٹے عذاب سوائے بڑے عذابوں کے کہ شاید وہ رجوع کریں اور فرماتا ہے "وَ أَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كَافِرُوْنَ O اَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (سورہ توبہ۔ 125)" یعنی جن کے دل میں بیماری ہے سو ان کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور مرے جب تک وہ کافر رہے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمانے میں آتے ہیں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے اور نصیحت نہیں قبول کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفاق وغیرہ سے توبہ کرنے کیلئے بھی عذاب کیا جاتا ہے تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ الحاصل نظیریں دونوں قسم کی موجود ہیں بلکہ اس قسم کی نظیریں دس بیس ملیں تو اہل باطل کی تکفیر وتفسیق وتعذیب کی نظیریں ہزارہا ملیں گی۔ غرض یہ نظائر مولوی صاحب کے مفید مدعا نہیں ہو سکتیں۔

مولوی صاحب جو لکھتے ہیں کہ یہ جہاں دارالامتحان ہے۔ اس عالم میں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتیں۔ فی الحقیقت عادت اللہ ایسی ہی جاری ہے کہ حق و باطل اس جہاں میں مشتبہ اور مُلتَبِس رہا کئے۔ سحر واستدراج کو ہمیشہ معجزہ اور کرامت کی ہمسری کا دعویٰ اور کلام الٰہی پر سحر و بیان کا دھوکہ لگا رہا اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات کو کبھی تعطل و بیکاری نہیں خواہ یہ عالم ہو خواہ دوسرا اس لئے کہ صفات جلال و جمال ہمیشہ اپنے کاموں میں مصروف ومشغول ہیں۔ اگرچہ بظاہر افراد بنی نوع انسان سے ہدایت اور شیاطین سے ضلالت متعلق ہے مگر جب تک حق تعالیٰ نہ چاہے نہ ہدایت ہوتی ہے اور نہ ضلالت جس کو خدائے تعالیٰ ہدایت کرنا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔

قال تعالیٰ ''وَمَنْ یَھْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ یُضْلِلْهُ فَلَا ھَادِیَ لَهٗ (مصنف ابن عبدالرزاق)'' انہیں صفات کا ظہور ہے کہ ہر زمانہ میں حق تعالیٰ کسی ایسے شخص کو پیدا کر دیتا ہے جس سے بہت سے ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ ہوتے ہیں۔ انبیاء گو خاص ہدایت کیلئے مبعوث تھے مگر ان کے نہ ماننے والے گمراہ ہوئے اور بہت سے مفتری کذاب گو گمراہ کرنے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں مگر ان سے بھی صفت جمال اپنا کام لیتی ہے کہ ان کے نہ ماننے والے ہدایت پر سمجھے جاتے ہیں جس کو خدائے تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ حق بات کے ماننے کیلئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے اور جس کی گمراہی منظور ہوتی ہے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ ''فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ یَّھْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ وَ مَنْ یُّرِدْأَنْ یُضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَأَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَاءِ (سورہ انعام۔ 125)'' وسعت سینہ کی یہ دلیل ہے کہ ہدایت کی بات اُس میں سما جائے علیٰ ہذالقیاس تنگی سینہ کی یہ دلیل ہے کہ وہ بات اس کے سینہ میں گنجائش نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل باطل کا سینہ باطل کیلئے کشادہ اور اہل حق کا دل اس سے تنگ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسعت و تنگی دونوں کیلئے ہوا کرتی ہے اس وجہ سے کوئی شخص حق و باطل میں اپنے دل کے مشورہ سے تمیز نہیں کرسکتا بلکہ وہ جس بات کا قائل ہوتا ہے اس چیز کو حق سمجھنے لگتا ہے جس سے پوچھئے اس کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں اور اُس سے نہایت خوش رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ''کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (سورہ مؤمنین۔53)'' اور صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ چاہتا بھی ہے کہ سارا جہاں اپنا ہم مشرب ہو جائے۔ اس کا تصفیہ باہم ممکن نہیں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر کیونکہ جس مسئلہ میں دو فریق ہو جائیں تو ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھے گا اور تیسرا حکم بنے تو کسی ایک فریق میں شریک ہو جائے گا یا وہ بھی ایک فریق نیا بن کر اپنے ہی کو حق پر سمجھنے لگے گا۔ غرض اس عالم میں اس کا تصفیہ ممکن نہیں کہ شرح صدر کس کا حق پر ہے اور کس کا باطل پر حق تعالیٰ ہی قیامت کے روز اس کا فیصلہ فرمادیگا۔ کما قال تعالیٰ ''إِنَّ رَبَّکَ ھُوَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (سورہ سجدہ۔25)"اب مولوی صاحب جو اپنا اطمینان اورشرح صدر مرزا صاحب کی حقانیت پر ظاہر فرماتے ہیں وہ کیونکر اس امر کی دلیل ہوسکے کہ مرزا صاحب سچ مچ عیسیٰ موعود ہیں ہمیں اس میں کلام نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مُرتاض ہوں گے مگر مشکل یہ ہے کہ جتنے مفتری دغاباز جعلساز ہوتے ہیں جب تک وہ اچھے عادات، اچھے حالات اور مستند لوگوں کی صورتوں میں اپنے کوظاہر نہیں کرتے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔قرامطہ کا حال آپ نے تواریخ میں دیکھا ہوگا کہ ابتداء کیا تھی اور انتہاء کیسی ہوئی۔

تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر ایک مدت تک اظہار تقدس میں مشغول رہا زہدوتقویٰ اور کثرت صلوٰۃ کی یہ صورت کہ تمام اقران و معاصرین میں ممتاز، اکل حلال کی یہ کیفیت کہ اپنے ہاتھ سے بوریا بن کر اس سے اوقات بسر کرتا کسی سے کچھ قبول نہ کرتا جب کوئی اس کے پاس جاتا تو سوائے وعظ ونصیحت کے کسی بات سے سروکار نہیں۔غرض تقویٰ، طہارت، زہد، ریاضت میں اس کووہ شہرت حاصل ہوئی کہ کسی زاہدو عابد کواس کے مقابلہ میں فروغ نہ رہا جب دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کا پورا اثر ہونے لگا تو مشہور مشہور مسائل نماز وغیرہ میں تصرف کرکے خلاف اجماع و مذاہب تعلیم شروع کی جب اس میں بھی کامیابی ہوگئی تو آہستہ آہستہ خیر خواہانہ یہ تمہید کی کہ طالبین حق کو ضروری ہے کہ کسی ایسے امام کے ہاتھ پر بیعت کریں جو اہل بیت نبوی سے ہو۔غرض پوری طور پر اپنے مقصود کی تمہید ذہن نشین کرکے شام کو چلا گیا وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کرکے لوگوں کوامام برحق کا مشتاق بنادیا چونکہ دعوت اس کی کسی معین شخص کے طرف نہ تھی اس لئے بعضوں کا خیال تھا کہ محمد بن اسماعیل امام وقت ہوں گے اور بعض کسی دوسرے کوخیال کرتے تھے۔ بہرحال سب کو یہی انتظار تھا کہ امام وقت اب ظاہر ہونا چاہتے ہیں کہ ایک شخص قرامطہ سے جن میں یہ شخص تھا ظاہر ہوکر مہدویت کا دعویٰ کیا۔اس مہدی کا اصلی نام ذکرویہ یحییٰ تھا مگر اپنا

نام محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا حالانکہ اسماعیل ابن جعفر کا کوئی فرزند عبداللہ نام کا نہ تھا۔ضرورت اس جعلسازی کی اس لئے ہوئی کہ احادیث میں امام مہدی کا نام محمد بن عبداللہ وارد ہے جو لوگ صرف امام کے منتظر تھے ان کو امام مہدی موعود کا مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی اُس کے نکلتے ہی کُل ہم مشرب اکھٹے ہو گئے اور یہ رائے قرار پائی کہ اصلاح قوم کی فکر کی جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے گذرگاہوں پر فوجیں روانہ ہوئیں اور حرمین وغیرہ کے راستوں میں رہزنی شروع کردی گئی اور تمام ملک حجاز وشام ومصر وغیرہ میں آتش فتنہ وفساد مشتعل ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص ابوطاہر نام مع فوج کثیر مکہ معظّمہ پر مسلط ہوا کسی کو وہاں یہ طاقت نہ تھی کہ اس سیلاب بلا کو روک سکے۔ابوطاہر گھوڑے کو دوڑا کر خاص حرم شریف کے اندر گھس آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اور اس غرض سے سیٹی دی کہ گھوڑا بول وبراز کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر اس نے پکار کر کہا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا کا کلام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے کہ ''وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (سورہ ال عمران۔97)'' یہ کہہ کر قتل عام کا حکم دیا۔ لکھتے ہیں کہ تخمیناً تیس ہزار مسلمان مکہ معظّمہ میں شہید کئے گئے جس میں سترا سو (1700) خاص مطاف میں جام شہادت سے سیراب ہوئے اور کشتوں کے سر کاٹ کر صرف سروں سے چاہ زمزم بھر دیا گیا اور تمام نعشیں بغیر کفن نماز جنازے کے اندرون وبیرون شہر کے کوؤں اور گڑھوں میں ڈال دیئے گئے، حجر اسود اکھاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے بائیس سال تک کعبہ شریف حجر اسود سے خالی رہا، تمام مکانات لوٹ لئے گئے۔غرض مکہ معظّمہ میں اس مہدی کا یہ فتنہ ایسا ہوا کہ اس کی نظیر کسی تاریخ میں مل نہیں سکتی۔

الحاصل بدنام ہونا برے کہلانا سزائیں پانا حقانیت پر قرینہ نہیں ہوسکتا ورنہ جعلساز، دغاباز، بدمعاش جن سے جیل خانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں سب کو اہل اللہ کہنا پڑے گا اور نہ اظہار تقدس اس کا قرینہ ہے جیسا کہ قرامطہ وغیرہ کے حال سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے جہاں اسلام کے موجودہ دشمن فرقوں کی فہرست لکھ کر ان کی روز

افزوں ترقی اوراس کی وجہ سے مرزا صاحب کی ضرورت ثابت کی ہے، اُن میں مولوی اور مشائخوں کوبھی شریک کیااوران کو یہ خطاب عطافرمائے۔

شیطان، حشرات الارض، زر پرست، نفس پرست، کم بخت، موذی، نائب شیطان، ناپاک، مجموعہ صفات ذمیمہ، شریر، فتنہ پرواز، مسلمانوں کے گمراہ کرنے والے شیطان کے شاگردرشید مکار وغیرہ۔ اس بات میں مولوی صاحب اپنے پیر کی سنت پر عمل کرر ہے ہیں کیونکہ مرزا صاحب بھی علماء اور مشائخین کوایسے خطابوں سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف میں یہ موجود ہیں۔ اے بدذات فرقہ مولویاں تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا ہے وہی عوام کوبھی پلایا، علماء السوء، اندھیرے کے کیڑو، کتے گدھے، حمار، عقارب، عقب الکلب یعنی کتے کے بچے، خنزیر سے زیادہ پلید، ایمان وانصاف سے دور بھاگنے والے، احمق پلید، دجال، مفتری، اشرار، اَذَلُّ الکافرین، اوباش، بے ایمان، بے حیاء، بددیانت، فتنہ انگیز، تمام دنیا سے بدتر، جھونٹ کا گوکھایا، جاہل، جعلساز، چمار، ڈومون کی طرح مسخرہ، دشمن قرآن، روسیاہ سفلے سیاہ، دل سفہا شریر، مکار، شیخ نجدی، عدو العقل، غول الاغوال، غدار سرشت، فرعون رنگ، کینہ ور کمینہ، مادرزاد اندھے، گندے مردار خوار، نا اہل، نمک حرام، نابکار، نالائق، نا اہل، ایمان سے دور بھاگنے والے، بولہب، فرعون، بدذات، خبیث، زندیق علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ وغیرہ وغیرہ جس کو صاحب عصائے موسیٰ نے مرزا صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ غرض کوئی گالی ان حضرات نے اٹھانہ رکھی اور عذر یہ کیا کہ کمال جوش اور حرارت اسلامی میں یہ سب گالیاں دی گئیں گویا اس جوش نے ان کو مرفوع القلم بنادیا ان گالیوں کے پہلے آپ نے یہ تمہید بھی کردی ہے کہ مصلحان قوم اپنی قوم کو بعض وقت بہت سخت الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں لیکن ان سخت الفاظ کے اندر محبت وشفقت بھری رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مصلح قوم ہیں جس قدر گالیاں دیں اس کے مستحق ہیں چونکہ اصلاح قوم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور یہ سخت وسست کہنا اس کا ذریعہ ہے یا مادۂ اس وجہ سے مولوی

صاحب اوران کے پیر اُس کو عبادت اور باعث تقرب الٰہی سمجھتے ہوں گے۔ اس موقع میں واقعہ حرۃ اور مسلم بن عقبہ کی کارگذاری یاد آتی ہے۔ تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اہل مدینہ منورہ جب یزید کے مخالف ہوگئے تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ان کی تادیب وتعذیب کیلئے مامور کیا وہ مقام حرّہ میں جو مدینہ کے پاس ہے، بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا اور بعد سوال وجواب کے قتل عام و غارت کا حکم دیا اور تین روز تک مدینہ منورہ کو لشکریوں پر مباح کردیا۔ تاریخ الخلفاء اور جذب القلوب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہزار باکرہ لڑکیوں کا بکر حرام سے زائل کیا گیا اور تمام شہر کے گھر لوٹے گئے جہاں کوئی ملتا مارا جاتا، صرف علماء سات سو شہید کیئے گئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے گئے۔ خاص روضہ شریف گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے متلطخ رہا۔ یہ سب مسلم بن عقبہ کے حکم سے ہوا۔ اب اُس کی خوش اعتقادی سنئے جب اُس کی موت کا وقت آ پہنچا تو آخری دعا یہ کی ”**اللھم انی لم اعمل قط بعد مشاھدۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ عملا احب الی من قتلی اھل المدینۃ ولا ارجیٰ عندی فی الآخرۃ“ ذکرہ ابن اثیر فی تاریخہ الکامل**۔ (الکامل فی التاریخ ذکر وفاۃ یزید بن معاویۃ، ج۲،ص۱۹۳) یعنی یا اللہ بعد شہادت کلمہ طیبہ کے جو کچھ اعمال صالحہ میں نے اپنی عمر میں کیئے ان سب سے زیادہ مجھے وہ عمل پسند ہے جو مدینہ کے لوگوں کو میں نے قتل کیا اور اسی عمل سے مجھے زیادہ تر توقع ہے کہ آخرت میں کام آئے گا۔

مسلم بن عقبہ کو صرف تادیب اہل مدینہ پر ناز تھا ہمارے مرزا صاحب کو اُس سے زیادہ ناز وفخر ہونا چاہیئے کیونکہ وہ تمام اہل اسلام کی تادیب فرمارہے ہیں اور وہاں صرف جراحات سنان تھیں یہاں جراحات لسان ہیں جو التیام پذیر نہیں۔ **جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ماجرح اللسان**۔

پھر یہ گالیاں کن کو دیئے جارہے ہیں عوام الناس بازاریوں کو نہیں جن کی عادت میں

گالیاں دینا اور سننا داخل ہے بلکہ ان افراد قوم کو جن کو قوم نے اپنا رہبر مربی اور حامی دین بنا رکھا ہے اور ہر ایک ان پر سو جان سے فدا ہے۔ معزز اور شریف لوگ قوم کے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ گالیاں سن کر قوم کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ سب کو جانے دیجئے خود مولوی صاحب اور ان کے پیر ہی غور کریں کہ کوئی ارذل یا ان کا ہمسر ان کے والد بزرگوار یا پیر کی شان میں یہ الفاظ کہے تو ان کا کیا حال ہوگا اگر غیرت دار ہوں تو کیا اُس ذلت کے مقابلہ میں مرجانا آسان نہ ہوگا۔ عرف میں ایسا شخص بڑا ہی بے شرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کے باپ یا استاد یا پیر کو کوئی گالی دے اور وہ چپ رہے۔ نہایت افسوس اور شرمناک حالت ہے جس کے مرتکب مولوی صاحب اور مرزا صاحب ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ (سورہ انعام۔ 108)'' یعنی بتوں کو گالیاں مت دو کہ وہ اللہ کو گالیاں دیں گے۔ ہادی برحق اور نبی صادق کو حق تعالیٰ تعلیم فرماتا ہے ''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ '' یعنی بلاؤ اپنے رب کی راہ پر حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور الزام دو ان کو جس طرح بہتر ہو۔ کیا مصلح قوم کی یہی شان ہے کہ اشتعال طبع پیدا کرنے والے الفاظ سے طبیعتوں کو مشتعل کرے اور اس قابل بنائے کہ حق بات سننے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہے۔ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو جو مصلح قوم قرار دیا ہے وہ خود انہی کی تقریر سے باطل ہو گیا اور نہ شرعاً اس قابل ہے کہ مصلح قوم سمجھے جائیں نہ عرفاً پھر یہ جو شکایت ہو رہی ہے کہ مولویوں کی وجہ سے مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں سچ ہے جس قوم کے مصلح رذالت سے کام لیں اس کو ذلت نہ ہو تو کیا ہو۔ یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو میرے ایک دوست کا دیکھا ہوا ہے کہ تراویح کی جماعت کسی مسجد میں ہو رہی تھی جس میں وہ بھی شریک تھے۔ ان کے قریب ایک شخص نے عین نماز میں اپنے بازو والے سے کچھ بات کہی ایک شخص نے نماز ہی کی حالت میں اس سے کہا کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تیسرے نے کہا تمہاری نماز کب باقی

رہی، چوتھے نے کہا الحمدللہ میں نے تو کوئی بات نہ کی۔ ایسا ہی مولوی صاحب جو اوروں پر الزام لگا رہے ہیں اس میں خود بھی مبتلا ہیں مگر سمجھتے نہیں علمائے ربانی وہ ہیں جو اپنے عیوب کی تفتیش کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور حتی الوسع دوسرے کے عیوب پر نگاہ نہیں ڈالتے اور اگر امر بالمعروف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو ایسے ملائم اور دل نشین طریقہ سے کرتے ہیں جس کا اثر ظاہر ہو عموماً تعلیم الٰہی امر بالمعروف کے بارے میں یہی رہی ہے کہ نہایت نرمی اور سہولت سے کام لیا جائے باوجودیکہ اژدہائے خونخوار موسیٰ علیہ السلام کی مدد کیلیے ساتھ دیا گیا تھا مگر ارشاد یہی ہوا کہ فرعون کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کی جائے کما قال تعالیٰ ”فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (سورہ طہ۔44)“ یعنی کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ ”اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (سورہ فصلت۔34)“ ترجمہ، جواب میں کہئے اُس سے بہتر پھر جو آپ دیکھو تو جس میں آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہوگا جیسے دوست دارناتے والا! اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے انتہیٰ۔ اسی وجہ سے ہر شخص امر بالمعروف کا اہل نہیں سمجھا جاتا کیونکہ امر بالمعروف میں عیوب پر مطلع کرنا ہوتا ہے اور قاعدہ کی بات یہ ہے کہ جس کا عیب ظاہر کریں وہ دشمن ہو جائے گا جس سے مخالفت اور جھگڑا پیدا ہونے کا سخت اندیشہ ہے جو ممنوع ہے کما قال تعالیٰ ”وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ (سورہ انفال۔46)“ یعنی آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا حق تعالیٰ فرماتا ہے ”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ“ یعنی اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنے جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم راہ پر ہو۔ باوجود یہ کہ امر بالمعروف کی ضرورت دوسری آیات سے ثابت ہے مگر اس آیت شریفہ میں جو

اس کی ممانعت ہے اس کی تطبیق کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عوام الناس اُس سے روکے گئے ہیں اور خواص کو اس کی اجازت ہے جن سے اصلاح کی امید ہے بعضے صحابہ نے اس آیت شریفہ کا مضمون حضرت سے دریافت کیا تو فرمایا تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کئے جاؤ اس وقت تک کہ لوگ دنیا اختیار کرلیں اور خود رائی کرنے لگیں تو اس وقت صرف اپنی فکر کرو اور ان کو چھوڑ دو۔

بہرحال مولوی صاحب کا یہ امر بالمعروف کرنا اس زمانہ میں کسی طرح بجا اور برمحل نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ امر بالمعروف بھی کس مسئلہ میں کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود ہیں جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ اور کسی علم سے حالانکہ امر بالمعروف کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس بات کا امر کیا جائے جو دین میں معروف ہو۔

اب غور فرمائے کہ اگر مولوی صاحب کو مدراس کے علماء نے وعظ سے روک دیا تو کیا برا کیا۔ خود خدا و رسول ان کو ایسے وعظ سے روک رہے ہیں۔ وعظ سے روکنے والون کا استدلال اس حدیث سے ہوگا جو سنن دارمی میں مروی ہے ''**عن أسماء بن عبيد قال دخل رجلان على ابن سيرين فقالا يا أبابكر نحدثك بحديث قال لا قالا فنقرأ عليك آية من كتاب الله قال لا لتقومان عنى اؤ لأقومن قال فخرجا فقال بعض القوم يا أبابكر وما كان عليك أن تقرأ عليك آية من كتاب الله تعالى قال إنى خشيت أن يقرأ علىَّ آية فيحرفانها فيقر ذلك فى قلبى** (حدیث سنن دارمی، باب اجتناب اہل الاھواء والبدع، ج،ا ص،۱۴۴)'' یعنی اسماء بن عبید کہتے ہیں کہ دو شخص اصحاب ہوا سے ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا انہوں نے کہ ہم آپ سے ایک حدیث کہتے ہیں فرمایا میں نہیں سنتا انہوں نے کہا کہ ایک آیت قرآن کی پڑھتے ہیں کہا میں نہیں سنتا یا تم یہاں سے اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر وہ آیت قرآن کی پڑھتے تو آپ کا کیا نقصان تھا فرمایا کہ مجھے خوف اس

بات کا ہوا کہ وہ آیت پڑھیں اور کچھ الٹ پلٹ کردیں جو میرے دل میں وہ جم جائے اور دوسری روایت اسی دارمی میں ہے ”عَنِ الْحَسَنِ وَ ابْنِ سِيْرِيْنَ إِنَّهُمَا قَالَا لَا تُجَالِسُوْا أَصْحَابَ الْأَهْوَاءِ وَلَا تُجَادِلُوْ هُمْ وَلَا تَسْمَعُوْا مِنْهُمْ وَ هٰكَذَا قَالَ أَبُوْ قَلَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (حدیث سنن دارمی، باب اجتناب اہل الاھواء والبدع، ج،ا ص،۴۴۵)“، یعنی حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اصحاب ہوا کے ساتھ نہ بیٹھو نہ ان سے مناظرہ کرو اور نہ ان سے کوئی بات سنو۔ مرزا صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے وہ بالکل نیا ہے تیرا سو برس کے عرصہ میں نہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا نہ یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرگئے اور جن کی آنے کی خبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اُن کا قائم مقام کوئی دوسرا شخص ہوگا اہل ہوا ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں جو نئی نئی باتیں اپنی خواہش کے مطابق دین میں تراش لیتے ہیں۔ صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جو نئی بات نکالی جائے وہ مردود ہے اُس سے احتراز و اجتناب کیا جائے۔ اس وجہ سے صحابہ ایسے لوگوں سے جو نئی بات نکالتے نہایت احتراز کیا کرتے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے کوئی بات نئی نکالی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس کو سلام کا جواب نہ پہنچانا کما فی الدارمی ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ قَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّهٗ قَدْ أَحْدَثَ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تَقْرَأْ عَلَيْهِ السَّلَامَ (حدیث سنن دارمی، باب اجتناب اہل الھواء والبدع ج، ا،ص ۴۳۷)“ عرفجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوں کہ فرماتے تھے قریب ہے کہ فتنے اور نئی نئی باتیں پیدا ہوں گی جو کوئی اس امت کی اجتماعی حالت میں تفرقہ ڈالنا چاہے جو کوئی ہو اس کو تلوار سے مار ڈالو کما فی مسلم ”عَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتَكُوْنُ هَنَاتٌ وَ هَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ (صحیح

مسلم، کتاب الامارۃ، باب حکم من فرق أمر المسلمین وہو مجتمع)‘‘ غرض اس قسم کے اسباب سے نئی نئی باتوں کے کہنے سننے سے روک دینا علماء کا فرض منصبی ہے اگر انہوں نے ایسے وعظ سے روک دیا تو یہ کوئی برہم ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے ان کو ممنون ہونا چاہئے ورنہ اگر یہ راستہ بالکلیہ کھل جائے تو اس آخری زمانہ میں جو دین پر ہر طرف سے حملہ ہورہے ہیں مخالفین دین کو موقع مل جائے گا اور ہر شخص نئی نئی باتیں ایجاد کر کے دین میں داخل کر دے گا جب تک مرزا صاحب ادیان باطلہ کے رد کے طرف متوجہ تھے سب ان کے مداح تھے بلکہ ان کو مجدد بھی سمجھتے ہوں تو تعجب نہیں اور اب بھی اس حد تک کوئی برا نہیں سمجھتا جس میں تائید دین ہوا گر یہ چند نئی باتیں چھوڑ دیں تو ابھی کل اہل حق ان کے رفیق و مددگار ہو جاتے ہیں اور یہ ناحق کا جھگڑا جس سے نہ دین کا فائدہ ہے نہ دنیا کا مٹ کر کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ‘ کا مضمون صادق آجاتا ہے اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مرزا صاحب خود ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں ممکن ہے ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ بھی صادق آجائیں جب یہ خود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس مشکوک دعویٰ پر اصرار کر کے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی قائم کرنے سے کیا فائدہ۔ نَسْأَلُ اللّٰہَ التَّوْفِیْقَ وَھُوَ بِالْاِ جَابَتِہٖ جَدِیْر۔

مولوی صاحب اسلام اور مسلمانوں پر کمال دل سوزی ظاہر کر کے ایک مرثیہ رونے اور چلانے کیلئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا قحط ہوگیا ہے اور دین اسلام گردش میں اور کفر کا زور وشور ہے۔ اس مرثیہ میں اتنی کسر رہ گئی کہ چند بند مرزا صاحب کی عیسویت پر بھی بڑھا دیتے کہ ہائے عیسیٰ ابن مریم بھی اتر کے بیس برس ہوگئے مگر بجائے اس کے کہ ان سے دین کی ترقی ہوتی کفر ہی کو ترقی ہوگئی اور ہورہی ہے۔ اگرچہ مقتضائے حسن ظن یہ ہے کہ یہ اظہار دل سوزی مولوی صاحب کی نیک نیتی پرحمل کی جاتی مگر مشکل یہ ہے کہ سرسید صاحب اور ان کے اتباع بھی اس سے زیادہ نوحے اور واویلے لکھتے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نیک نیتی کے قائل مولوی صاحب بھی نہیں ہیں بلکہ ان کو دشمن

اسلام قرار دیا ہے۔ اس امر کی تصدیق کیونکر ہو کہ وہ فی الواقع اصلی اسلام کے دوست اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصود تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر مسلمان ہیں تو چند قادیانی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سب بے دین ہیں۔ چنانچہ صاف لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قحط ہو گیا ہے۔

اس طریقہ کی ایجاد ابتدائے اسلام ہی میں ہو چکی ہے چند لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ کمال درجہ کا زہد وتقویٰ پرہیز گاری ایمانداری ظاہر کر کے کل صحابہ وتابعین کو بے دین قرار دیا اور ظاہری حالت ان کی دیکھ کر بہت سے ظاہر میں ان کے طرف مائل اور ان کے ہم خیال ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت بن گئی جن کے قلع وقمع کی طرف سلطنت کو متوجہ ہونا پڑا اور پھر بھی نہ ہو سکا ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ اگر مسلمان ہیں تو ہم ہیں باقی سب صحابہ وتابعین کافر ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔ ان لوگوں کے واقعات وحالات بہت ہیں مگر تھوڑا سا حال بقدر ضرورت یہاں لکھا جاتا ہے جس سے طرز رفتار معلوم ہو جائے۔ جو واقعات یہاں لکھے جاتے ہیں فضائل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مولفۂ امام نسائی مستدرک حاکم کنز العمال اور تاریخ کامل وغیرہ متعدد معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں وہی ہذہ۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور طرفین سے ہزاروں اہل اسلام شہید ہوئے تو یہ رائے قرار پائی کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد علیہ حکم قرار دیئے جائیں وہ جو کچھ فیصلہ کریں نافذ ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا اور اشعث بن قیس اس کام پر مامور ہوئے کہ وہ عہد نامہ ہر قبیلہ میں جا کر سنا دیں جب وہ قبیلۂ بنی تمیم میں جا کر عہد نامہ سنائے تو عروہ بن ادبیہ تمیمی نے کہا کہ عجیب بات ہے یہ لوگ آدمیوں کو حَکَم بناتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنِ

اَلْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (سورہ انعام۔ 57)“ اور یہاں تک برہم ہوا کہ تلوار کھینچ کر اشعث پر حملہ کیا تو وہ بچ گئے مگر ان کا گھوڑا زخمی ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ ہم سے مقابلہ کریں تو ہم اول ان سے تقریر کر کے قائل کریں گے اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالیں گے۔ زید بن عاصم محاربی جو اس مجلس میں موجود تھا یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ اپنے دین میں دناءت اختیار کریں اور کم ہمتی کو عمل میں لائیں۔ اے علی کیا تم ہم کو قتل سے ڈراتے ہو ہوشیار رہو واللہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ خدا کی راہ پر تم چلتے ہو یا ہم پھر وہ اور اس کے بھائی نے ایک جماعت فراہم کی جن میں عبداللہ بن وہب راسبی بھی تھا اس نے خطبہ پڑھا کہ ہم کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں میں جانا ضروری ہے تا کہ گمراہ کرنے والے بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے پھر دنیا کی بے ثباتی اور متقیون کے فضائل بیان کر کے سب کو شہر سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اس کے بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امیر کون قرار دیا جائے۔ بعد اختلاف کے یہ امر طے ہوا کہ عبداللہ بن وہب ہی اس کام کیلئے منتخب کیا جائے۔ اس نے اول تو انکار کیا لیکن بعد ردوقدح کے یہ کہہ کر قبول کیا کہ مجھے مطلقاً خواہش دنیوی نہیں نہ میں امارت چاہتا ہوں نہ مجھے اس سے کوئی خوف ہے اللہ کے واسطے یہ خدمت قبول کرتا ہوں اگر اس میں مر جاؤں تو کوئی پروا نہیں پھر اس نے کہا کہ اب ایسا شہر تجویز کرنا چاہئے کہ جس میں ہم سب جمع ہوں اور اللہ کا حکم جاری کریں کیونکہ اہل حق اب تمہیں لوگ ہو چنانچہ نہروان تجویز ہوا اور یہ سب خوارج وہاں چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے نام خط لکھا کہ اب بھی چلے آؤ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا اب تو ہم نے تم کو دور کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ زیاد بن امیہ نے عروہ بن ادیہ خارجی سے پوچھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا کیا حال تھا کہا اچھے تھے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا

حال دریافت کیا کہا ابتداء میں چھ سال تک ان کو میں بہت دوست رکھتا تھا جب انہوں نے بدعتیں شروع کیں ان سے علحدہ ہو گیا اس لئے کہ وہ آخر عمر میں کافر ہو گئے تھے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا کہا کہ وہ بھی اوائل میں اچھے تھے آخر میں کافر ہو گئے۔ بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا ان کو سخت گالی دی پھر زیاد ابن امیہ نے اپنا حال پوچھا کہا تو اوائل میں اچھا تھا اور آخر میں گزندہ ہو گیا اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تو اپنے رب کا نافرمان رہا۔ زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا پھر اس کے غلام کو بلا کر پوچھا کہ اس شخص کا مختصر حال بیان کر کہا جب میں اس کے پاس کھانا لیجاتا یا اور کسی کام کیلئے جاتا تو اس کا یہی اعتقاد اور اجتہاد اور دل سوزی پاتا غرض ضرورت سے زیادہ دل سوزی بھی علت سے خالی نہیں۔ خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صرف دو باتوں سے بگڑے جن میں ظاہراً کمال دینداری معلوم ہوتی ہے ایک حَکَم کا مقرر کرنا جس کو انہوں نے شرک قرار دیا تھا اس وجہ سے کہ حَکَم خدائے تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہوسکتا **کما قال تعالیٰ ''ان الحکم إلا لله''** دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے انہوں نے لڑائی کیوں اگر لڑنا ضروری تھا تو ان کا مال غنیمت کیوں نہ بنایا حالانکہ یہ دونوں امر قرآن سے ثابت ہیں ان کے زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب چھ ہزار خوارج ایک مقام میں جمع ہوئے تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر عمدہ لباس پہن کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ اے ابن عباس یہ لباس کیسا میں نے جواب تو دے دیا مگر ان کی حالت یہ دیکھی کہ عبادت اور ریاضت میں کسی قوم کو ان کا نظیر نہیں پایا نہ صحابہ کو نہ تابعین کو ان کے چہرے شب بیداری کی وجہ سے سوکھے سوکھے اور ہاتھ پاؤں نہایت دبلے، جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کا پیچھا کیا ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے ان کی حالت دیکھی کہ ہر طرف سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہے سب لوگ تہبند باندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجے کے زاہد و عابد نظر آئے یہ حالت ان کی

دیکھتے ہی میرے دل پر سخت صدمہ ہوا اور میں گھوڑے سے اتر کر جناب باری کی طرف رجوع کیا اور نماز کی حالت میں یہ دعاء کرنے لگا کہ الٰہی اگر اس قوم کا قتل کرنا طاعت ہو تو مجھے اجازت دے اور اگر معصیت ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما دے میں اسی حالت میں تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے جندب خدا کے غضب سے پناہ مانگو اے جندب یاد رکھو کہ ہم میں سے دس شخص شہید نہ ہوں گے اور ان میں سے دس نہ بچیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طارق بن زیاد کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ قتل ہو چکے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ بات سچی کہیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گی اور دین سے وہ ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ رنگ ہوگا جس کا ایک ہاتھ ناقص ہوگا اور اس پر چند سیاہ بال ہوں گے ان میں اس کی تلاش کرو اگر وہ مل گیا تو سمجھو کہ تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ورنہ بہترین خلق کو تم نے مارا یہ سنتے ہی صحابہ کو فکر ہوئی اور بے اختیار رونے لگے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہوئے چنانچہ تمام لعشوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کو نکالا اس کے ملتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام صحابہ سجدۂ شکر میں گرے۔ (الکامل فی التاریخ، ذکر خبر الخوارج، ج ۲، ص، ۸۱)

خوارج کا یہی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نبی پیدا کرے گا اور اس پر ایک کتاب نازل ہوگی جو آسمانوں میں لکھی ہوئی ہے۔ غرض جیسے یہ لوگ اپنے چند ہم مشربوں کو مسلمان قرار دے کر دوسروں کو گمراہ ٹھہرائے تھے، مولوی صاحب بھی وہی کر رہے ہیں۔ ان واقعات سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ کمال دل سوزی اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر ظاہر کرنا دینداری اور حقانیت کی دلیل نہیں ہوسکتی دوسرا کمال ریاضت ومجاہدہ وترک دنیا حقانیت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ تیسرا مسلمانوں کو بے دین اور خود کو دیندار قرار دینا اہل باطل کا شعار ہے۔ چوتھا تمام مسلمانوں کے خلاف میں ایک نئی بات ایجاد کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا خدا اور رسول کے پاس مذموم ہے۔

مولوی صاحب کو اپنی طبیعت خداداد پر ناز ہے کہ ولی کو پہچان لیتے ہیں اس وجہ سے مرزا صاحب کو پہچان لیا اس کی تصدیق میں ہمیں کلام ہے جب صحابہ کو خوارج کی والیت اور ان کے بہترین خلق ہونے کا گمان ہوا اور فی الواقع وہ دھوکہ ثابت ہوا تو اب ان سے بڑھ کر ولی کو کون پہچان سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ولی کو حق تعالیٰ پوشیدہ رکھتا ہے اگر مولوی صاحب اس لحاظ سے کہ ولی را ولی می شناسد۔ اپنے کو ولی سمجھتے ہیں تو یہ دوسری بات ہے۔ صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ اپنے کو ولی سمجھیں خود اپنے ایمان کو مبہم رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منافقوں میں تو شریک نہیں فرمایا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک وقت اپنی حالت قلبی دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھے کہ **نافق حنظلہ** یعنی حنظلہ منافق ہوگیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم زبان ہوگئے۔ یہ روایت صحاح میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی ولایت تو کیا اپنی ولایت بھی ہر شخص کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ولایت افعال واعمال کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نسبت ہے جو بندہ اور معبود کے بیچ میں ہوتی ہے جس کا ماحصل تقرب الٰہی ہے۔ پھر جس کو تقرب الٰہی ہو تو ضروری نہیں کہ دوسرے کا تقرب بھی اس کو معلوم ہو اور جس کو تقرب ہی نہ ہو تو کسی کا تقرب اسے کیونکر معلوم ہو سکے۔ رہی یہ بات کہ اعمال صالحہ اور قرائن سے کسی کا تقرب معلوم کریں سو وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ بخاری شریف میں ہے " **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيْمَا يَبْدُوا لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيْمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ** (حدیث بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یقول فلان شہید)"۔ یعنی دیکھنے میں بعضوں کے عمل جنتیوں کے ہوتے ہیں اور در حقیقت وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بعضوں کے عمل دیکھنے میں دوزخیوں کے ہوتے ہیں اور وہ جنتی ہوتے ہیں مطلب یہ کہ ظاہری اعمال سے کچھ

پتہ نہیں چلتا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ابھی قرامطہ اور خوارج کا حال معلوم ہوا بلعم بن باعورہ کا قصہ تفاسیر میں مصرح ہے کہ نہایت مقدس مستجاب الدعوات تھا اور بعض روایات سے تو اس کو نبوت بھی معلوم ہوتی ہے مگر انجام کار بے دین ہو کر مرا جس کی مذمت قرآن کریم میں ہے ''إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (سورہ اعراف۔176)'' شعر

زاہد غرور داشت سلامت نبرد اراہ　　　رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ہر شخص جس کسی کا مرید ہوتا ہے اس کو ولی سمجھتا ہے پھر ان میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ پیر و مرید دونوں خسر الدنیا و الآخرۃ کے مصداق ہیں۔شعر

اے بسا ابلیس آدم روے ہست　　　پس بھر دستے نباید دادوست

صحابہ کا زمانہ دوسرے تمام زمانوں سے بہتر اور افضل ہونا اور اس کے بعد ابتری اور خرابی بڑھتی جانا صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

جب اس زمانہ کا یہ حال ہو کہ صحابہ جن پر حسن ظن کریں وہ خوارج نکلیں تو ہم آخری زمانے والے جن پر حسن ظن کریں خدا ہی جانے ان کی کیا حالت ہو۔امام سخاوی رحمتہ اللہ علیہ نے الجواہر المکللہ فی الاحادیث المسلسلہ میں بسند متصل عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر لبید ابن ربیعہ کے یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔ **ذهب الذين يعاش فى اكنا فهم. و بقيت فى خلف كجلد الاجرب. يتحدثون مخافة وملامة. و يعاب قائلهم و ان لم يشغب** ۔یعنی جاتے رہے وہ لوگ جن کے پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور رہ گئی میں ایسے ناخلف لوگوں میں جن کی حالت کھجلی بھرے اونٹ کے چمڑے کی ہے۔باتیں کرتے ہیں وہ لوگ خوف اور ملامت کی اور ان میں کہنے والا اگرچہ کج روی نہ کرے عیب لگایا جاتا ہے۔عروہ اس حدیث کی روایت کرنے کے وقت کہا کرتے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے زمانہ میں ہوتیں تو معلوم نہیں کیا کہتیں ہشام جو عروہ

سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عروہ اگر ہمارے زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے اسی طرح امام سخاوی رحمہ اللہ تک۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اللام بعدہا الباء، ج ۳،ص ،۲۵

واصل الروایۃ ہذا۔ وبالسند المذکور الی ابی بکر بن شاذان حدثنا ابوبکر احمد بن محمد بن اسماعیل الهیثی بکسر الهاء والفوقانیة و بینهما تحتانیة وهو ثقة ثنا یعیش بن الجهم. حدثی عن ابی حمزة هو انس بن عیاض عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی الله عنها انها کانت تتمثل بابیات لبید بن ربیعة.

ذهب الذین یعاش فی اکنافهم. و بقیت فی خلف کجلد الاجرب. یتحدثون مخافة وملامة و یعاب قائلهم و ان لم یشغب. قال عروة رحم الله عائشة کیف لوادرکت زماننا هذا و قال هشام رحم الله عروة کیف لو ادرک زماننا هذا و قال ابوحمزة رحم الله هشاما کیف لو ادرک زماننا هذا و قال یعیش رحم الله ابا حمزة کیف لو ادرک زماننا هذا و قال الهیتی رحم الله یعیش کیف لو ادرک زماننا هذا و قال ابن شاذان رحم الله الهیتی کیف لو ادرک زماننا هذا و قال ابو الفتح رحم الله شاذان کیف لو ادرک زماننا هذا و قال المبارک رحم الله ابا الفتح کیف لو ادرک زماننا هذا و قال السلفی رحم الله المبارک کیف لوادرک زماننا هذا و قال ابوالحسن رحم الله السلفی کیف لو ادرک زماننا هذا و قال الطبری رحم الله ابا الحسن کیف لو ادرک زماننا هذا و قال کل من العفیف و القروی رحم الله الطبری کیف لو ادرک زماننا هذا و قال لنا القرشی رحم الله القدوی کیف لو ادرک زماننا هذا و کذا قالت لنا مریم

رحم الله العفيف كيف لو ادرک زماننا هذا و اقول رحم الله کلا من مشائخنا کیف لو ادرک زماننا هذا. انتہی۔(اسد الغابۃ،لبید بن ربیعہ،ج۲، ص،۴۴۷)زبیر بن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج بن یوسف کی شکایت کی فرمایا صبر کرو جو زمانہ تم پر آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا۔یہ بات آپ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کمافی البخاری"**عن الزبير بن عدی قال اتينا انس بن مالک رضی الله عنه فشکونا اليه ما نلقی من الحجاج فقال اصبروا فانه لا ياتی عليكم زمان الا الذی بعده شرمنه حتی تلقوا ربكم سمعته من نبيكم صلی الله عليه وسلم**"(صحیح البخاری، باب **لايأتی الزمان الا الذی بعدهٔ شرمنه. کتاب الفتن**)اس حدیث سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ جب حجاج کے زمانہ سے جس کو تخمینا بارہ سو برس ہوتے ہیں بدتری اور خرابی روز افزوں ترقی پذیر ہے تو اس زمانہ کے فتنہ انگیز حجاج سے کس درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے۔سچ ہے کہ اس کا فتنہ صرف جسم پر اثر کرتا تھا اور اس زمانہ کے فتنے ایمان پر اثر ڈالتے ہیں۔اس فتنہ کا اثر اسی عالم تک محدود تھا ان فتنوں کا اثر عالم اخروی میں ظاہر ہونے والا ہے۔اس فتنے کا اثر چندروز میں فنا ہوگیا ان فتنوں کا اثر جس پر ہوا،ابداالآباد باقی رہا۔

ازیں افیون کہ ساقی درمی افگند حریفان رانہ سرماندنہ دستار

حق تعالیٰ ہم کو اور ہمارے احباب اور جمیع اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے ایمان کی قدر کریں اور ہرکس وناکس کے فریب میں آکر ایسے گوہر بے بہا کو کھونہ بیٹھیں۔

مولوی صاحب مرزا صاحب کی تائید اسلام اور تقدس سے متعلق جتنی باتیں بیان کرتے ہیں انکا انکار کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں مگر یہ حقانیت کا قرینہ قطعیہ نہیں ہوسکتا۔ کتب تاریخ سے ظاہر ہے کہ حجاج بن یوسف نے بخارا سے ملتان تک صدہا شہر فتح کر کے سرحد اسلام میں داخل کر دیا جن میں کروڑہا اہل اسلام پیدا ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ اسی تائید کا

اثر قیامت تک جاری رہیگا۔ باوجود اس کے دیکھ لیجئے کہ اسلام میں حجاج ظالم کی کیا وقعت ہے۔ یہ تو ہمارے دین کا خاصہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کی تائید بدکاروں سے بھی کرایا کرتا ہے جیسا کہ صراحتًا اس حدیث شریف سے ظاہر ہے "قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَیُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ رواہ البخاری (حدیث صحیح البخاری، کتاب الجہاد السیر باب ان اللہ یؤیدالدین بالرجل الفاجر)" غرض مرزا صاحب کی تائید اسلام میں ہماری گفتگو نہیں کلام ہے تو صرف اس میں ہے کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود بننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی ہمیں کلام کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں نبوت تو کیا اگر کوئی خدائی کا بھی دعویٰ کرے تو کوئی نہیں پوچھتا مگر چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں وہ تصرف کررہے ہیں اس لئے ہم پر حق ہے کہ جہاں تک ہوسکے ان کی حفاظت کریں اور اپنے ہم مشربوں کو ان کا اصلی مطلب معلوم کرادیں اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہم کو اپنا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ وماعلینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے صفات اور حالات ایسے ہوں گے جیسے مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہود کی حالت تھی بلکہ یہ لفظ یعنی عیسیٰ ابن مریم اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے تا ہر ایک کو خیال آجائے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے اُن مسلمانوں کو جن میں عیسیٰ ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا، یہود ٹھرالیا ہے جیسے یہودیوں کا نام خدائے تعالیٰ نے بندر اور سور رکھا اور فرمایا "وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ (سورہ مائدہ۔60)" اسی طرح اپنا نام عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا "وَجَعَلْنَاکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ" انتہیٰ۔ پھر دس بیس صفات مذمومہ مثل بغض وحسد اور تفرقہ وغیرہ جو اس زمانے کے بعض مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں وہ اس زمانہ کے یہود میں بیان کئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے وقت تھے۔ مقصود اس سے یہ کہ ان لوگوں میں یہ صفات ہونے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے

تھے اب بھی وہی صفات اس وقت کے مسلمانوں میں آگئے ہیں اس لئے اب وہ یہود ہیں اور عیسیٰ کی ان کے لئے ضرورت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **لکل فرعون موسیٰ** اس صورت میں وہ عیسیٰ مراد نہیں جو نبی تھے بلکہ ان کا مثل اور شبیہ مراد ہے۔ صفات مذمومہ جو دونوں فرقوں میں مشترک بتائے گئے ہیں اس کا ثبوت کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب سے نہیں دیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا جن احادیث میں ذکر ہے ان میں نہ تو یہود کا نام ہے نہ ان کے ان صفات کا ذکر جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں آگئی تھیں۔ یہ مسلّم ہے کہ جب تک کسی قوم میں صفات مذمومہ نہیں پائی جاتیں اس قوم میں نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آیت شریف ''اِن أُرِیۡدُ إِلَّا الۡإِصۡلَاحَ (سورہ ہود۔88)'' سے ظاہر ہے اور وہ صفات مذمومہ اسی قسم کے ہوتے ہیں جو بیان کی گئی ہیں مگر اس میں قوم یہود کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خصوصیت تھی تو چاہئے تھا کہ پہلے وہ خصوصیت قرآن وحدیث سے بیان کی جاتی۔ اس وقت **لکل یھودی عیسیٰ** صحیح ہوتا جیسے **لکل فرعون موسیٰ** صحیح ہے یہ تو اس واسطہ صحیح ہے کہ فرعون کا سرکش ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا سرکوب ہونا ہر شخص جانتا ہے اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہود میں کونسی صفات تھیں جس کی اصلاح کیلئے عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اگر بالفرض وہ صفات معلوم بھی ہوتے تو دونوں طرف علم توصیفی کہے جاتے جیسے **لکل فرعون موسیٰ** میں ہے اگر زید شرارت کرے تو **لزید موسیٰ** کہنا ہرگز محاورہ کے مطابق نہ ہوگا۔ یہی صورت یہاں بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر فرمایا کہ تم میں عیسیٰ آئیں گے۔ یہ کسی حدیث میں نہیں کہ تم یہود ہو جاؤ گے یا تم میں یہود کے صفات آجائیں گے اس لئے تم میں عیسیٰ آئے گا۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ آخری زمانے والے امم سابقہ کی پیروی کریں گے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ میری امت اگلی امتوں کے پورے پورے صفات اختیار نہ کرے گی۔ صحابہ نے عرض کیا وہ لوگ فارس اور روم کے جیسے ہو جائیں گے۔ فرمایا ان کے سوا اور کون (کنز

العمال میں یہ حدیث بخاری سے نقل کیا ہے۔دیکھئے جلد ہفتم صفحہ 173۔

اب اس تصریح کے بعد یہ کہنا ہے کہ یہ امت یہود ہو جائے گی اس لئے کوئی عیسیٰ آئے گا خلاف احادیث ہے۔

کنز العمال میں صدہا حدیثیں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور تغیر حال امت اور علامات قیامت کے باب میں وارد ہیں۔کوئی حدیث ان میں ایسی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ امت میں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اس کی وجہ سے عیسیٰ پیدا ہوں گے۔ پھر جس طرح فساد امت کے باب میں احادیث وارد ہیں اس کی مدح میں بھی آیات و احادیث وارد ہیں۔چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے''کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (آل عمران۔110)''یعنی کل امتوں سے یہ امت بہتر ہے۔اور احادیث میں وارد ہے کہ کبھی یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔اہل باطل اس امت کے اہل حق پر غالب نہ ہوں گے۔ بلکہ آخر امت کی بھی خاص خاص فضیلتیں وارد ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کا پانی،نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا یا آخر۔

اور فرماتے ہیں کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور بیچ میں مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔(کنز العمال، کتاب الفضائل من قسم الافعال، باب الاکمال من الباب السابع فی فضائل ہذہ الامة المرحومة)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔حضرت نے استفسار فرمایا کہ تمام اہل ایمان میں افضل کون لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ملائکہ ہوں گے،فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا شک ان کا مرتبہ تو ایسا ہی ہے۔صحابہ نے عرض کیا انبیاء ہوں گے،فرمایا ان کے ایمان میں کیا شک ان کا بھی ایسا ہی مرتبہ ہے۔عرض کیا شہداء ہوں گے جو انبیاء کے ساتھ حاضر رہے۔فرمایا ان کو خدائے تعالیٰ

نے ایسا ہی مرتبہ دیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ رہیں۔فرمایا ان کے سوا کہو سب نے عرض کیا حضرت ہی فرمادیں۔ارشاد ہوا وہ لوگ وہ ہیں جواب تک موجود نہیں ہوئے وہ میرے بعد پیدا ہوں گے اور بغیر دیکھے کے مجھ پر ایمان لائیں گے اور صرف اوراق دیکھ کر اس پر عمل کریں گے۔ایمان والوں میں یہ لوگ افضل ہیں۔(مسند البزار مسند أبی حمزۃ أنس بن مالک رضی اللہ عنہ)۔ان کے سوا اور کئی حدیثیں اس امت مرحومہ کی فضیلت پر دال ہیں۔ان احادیث سے اس امر کی تائید بخوبی ہوسکتی ہے کہ اس امت کی عظمت اور رفعت شان کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام جو نبی اللہ تھے، وہی اس امت میں تشریف لائیں گے اس لئے کہ دجال کا فتنہ جو اس امت مرحومہ کے اخیر میں ہونے والا ہے، ایک ایسا پرآشوب فتنہ ہے کہ خدا ہی اس سے پناہ دے۔تمامی انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے آئے۔چنانچہ بخاری شریف میں یہ حدیث مروی ہے "**ان عبدالله بن عمر رضی الله عنه قال قام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الناس فاثنی علی الله بماهو اهله ثم ذکر الدجال فقال انی لا نذر کموه وما من نبی إلا انذر قومه لقد انذر نوح قومه و لکنی اقول لکم فیه قولا لم یقله نبی لقومه تعلمون انه اعور و ان الله لیس باعور**" (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول الرجل للرجل اخسأ) یعنی ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حمد کے بعد دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ میں اس سے تم کو ڈراتا ہوں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جو اپنی قوم کو اس سے ڈرایا نہیں یہاں تک کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا لیکن میں ایک ایسی بات تمہیں کہتا ہوں کہ کسی نبی نے نہیں کہی یاد رکھو کہ وہ کانا ہے اور اللہ کانا نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجود یہ کہ اس فتنہ کا وقت علم الٰہی میں معین تھا کہ قریب قیامت حضرت کی آخر امت میں ہوگا مگر شہرت اس کی نوح علیہ السلام ہی کے وقت سے دی گئی جس سے ہر فرد بشر پناہ مانگتا تھا اور انبیاء ڈراتے رہے۔وہ فتنہ کس بلا کا ہوگا جس کی دھوم

عالم میں قبل از وقوع واقعہ اس قدر مچی ہوئی تھی حالانکہ دنیا میں صدہا بلکہ ہزارہا وقائع اور فتنے ہوئے مگر کسی زمانے میں ان سے پناہ مانگی نہ گئی یہ فتنہ معمولی نہیں بلکہ قیامت کا نمونہ ہوگا کہ نقشہ قیامت کا پیش نظر کردے گا۔ جو فتنہ غیر معمولی اور فوق طاقت بشری ہو اس کے دفع کرنے کا اہتمام بھی غیر معمولی طور پر ہونا مقتضائے حکمت ہے جس سے اس فتنے کی وقعت اور بھی زیادہ ہو جائے یعنی اس اہتمام سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دفع کرنے کیلئے انبیائے اولوالعزم سے خاص ایک نبی جلیل القدر مقرر ہو وہ کیسا فتنہ ہوگا۔ غرض جس طرح تمام انبیاء کا ڈرانا اہل ایمان کے دلوں کو متزلزل اور اللہ تعالیٰ کے طرف پناہ لینے پر مضطر کرتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو خاص اس کے فرو کرنے کیلئے متعین کرنا اس اثر قلبی کو دوبالا کرتا ہے اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ کمال درجہ کی خصوصیت اس امت مرحومہ کی اور کمال درجہ کا فضل و احسان اس پر مبذول ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چند وہ فتنہ کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی خاص طور پر پہلے ہی سے کردی گئی تا کہ ہر مسلمان بصدق دل حق تعالیٰ کا شکرگذار اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو جان سے نثار رہے کہ ان کی وجاہت اور رواداری کے طفیل سے کیسی کیسی بلائیں ہمارے سر سے حق تعالیٰ ٹال دیتا ہے اگر ایسی نعمت عظمیٰ کی قدر ہم نہ کریں تو بڑی کفران نعمت ہے۔ حاصل یہ کہ اس امت کی خرابیاں اس امر پر قرینہ نہیں کہ عیسیٰ فرضی ان خرابیوں کو دفع کرنے کیلئے آئے گا بلکہ اس امت کی جلالت شان اس امر پر قرینہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عیسیٰ علیہ السلام کو مامور فرمایا کہ اشد ضرورت کے وقت تشریف لا کر دشمن قوی کے ہاتھ سے اس کو بچادیں اور اس کے دشمن کو مقہور کر کے نئے سرے سے اس امت کا سکہ تمام عالم میں جمادیں اور خود بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا فخر جس کی ایک زمانہ دراز سے آرزو تھی حاصل کریں۔ ”**ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء. یفعل الله مایشاء و یحکم مایرید**“۔ حدیث مذکورۂ بالا میں آپ نے دیکھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ میں دجال کی وہ علامت تم سے کہتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ اس کا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا کیونکہ اس کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو ایک صفت مختصہ سے ممتاز کردینا اس بات پر دلیل بین ہے کہ لوگوں کو اس کی شوکت اس کی قدرت ظاہری سے اس کی الوہیت کا گمان ہوگا اور کیوں نہ ہو جس کو حق تعالیٰ کی طرف سے اتنی قدرت حاصل ہوجائے کہ مردوں کو زندہ کرنے لگے تو ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی الوہیت کا شبہ ضروری ہوگا۔

اس کا مردوں کو زندہ کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے "ان اباسعید الخدری رضی الله عنه قال حدثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یومًا حدیثا طویلا عن الدجال فکان فیما یحدثنا به انه قال یأتی الدجال وهو محرم علیه ان یدخل نقاب المدینة فینزل بعض السباخ التی تلی المدینة فیخرج الیه یومئذ رجل وهو خیر الناس او من خیار الناس فیقول اشهد انک الدجال الذی حدثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیثه فیقول الدجال ارأیتم ان قتلت هذا ثم احییته هل تشکون فی الامر فیقولون لا فیقتله ثم یحییه فیقول والله ماکنت فیک اشد بصیرة منی الیوم فیرید الدجال ان یقتله فلا یسلط علیه" (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب لایدخل الدجال المدینۃ) یعنی ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بہت سے احوال بیان فرمائے منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ مدینہ میں داخل نہیں ہوسکے گا مگر کسی زمین شور میں اس کے مقام کرے گا اس وقت ایک بزرگ اس کے پاس جاکر کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کرکے زندہ کروں تو کیا جب بھی میرے کام میں یعنی خدائی میں تمہیں شک رہے گا۔ لوگ کہیں گے نہیں تب وہ ان کو قتل کرڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔ وہ بزرگ زندہ ہوتے ہی کہیں گے کہ اب تو تیرے

دجال ہونے کا مجھ کو اور بھی یقین ہو گیا۔ غرض اس قسم کی قدرتیں اس کو حاصل ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبردار فرمایا کہ کتنی ہی قدرت اس کو حاصل ہو مگر سمجھ رکھو کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کانا ہے اور خدا کانا نہیں ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دجال کسی ایک آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے گروہ پادریان مراد ہے۔ انہوں نے ان کو اس لئے اختیار کیا کہ اگر شخص معین مراد ہوتو ان کا دعویٰ عیسویت صحیح نہیں ہوسکتا کسی شخص کو دجال معین کر کے بتلانا پڑتا اگرچہ ممکن تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتادیتے اس لئے کہ وہ ان کے سخت مخالف ہیں مگر ان سب صفات کی تطبیق مشکل تھی۔ غرض بمجبوری ایک گروہ کو دجال قرار دینے کی انہیں ضرورت ہوئی۔

یوں تو دجال کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مگر چونکہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو بہت مانتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام وغیرہ سے ظاہر ہوئے اس لئے بالفعل ہم انہیں دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جو ابھی لکھی گئیں، انہیں میں غور کیا جائے کہ آیا دجال ایک شخص معلوم ہوتا ہے یا ایک قوم ہے۔

ان حدیثوں میں لفظ دجال مفرد ہے اگر جماعت مقصود ہوتی تو لفظ دجالون آتا جیسا کہ دوسرے احادیث میں وارد ہے۔ "**قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امتی کذابون و دجالون**" (صحیح البخاری، باب علامات النبوۃ، کتاب المناقب، سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون) یہ دجال لوگ دجال موعود نہیں جس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ صرف مشابہت کی وجہ سے وہ دجال ٹھہرائے گئے ہیں کیونکہ دجال موعود کی خصوصیات ان میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر دجال جن کی کثرت اس حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے، مثل پادریوں کے غیر محدود نہیں بلکہ ان کی تعداد بعض روایات میں ستائیس اور بعض میں تیس تک وارد ہے اور ان دجالوں کی شناخت بھی حضرت نے فرمادی ہے کہ وہ سب یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں اور چونکہ اب تک سنا

نہیں گیا کہ کسی پادری نے رسالت کا دعویٰ کیا ہواس لئے کسی پادری پر لفظ دجال صادق نہیں آسکتا اور اگر دجال سے پوری قوم پادریاں مراد ہے جیسے مرزا صاحب ازالہ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں تو پہلے تو وہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ معنی لغوی بیان کئے گئے ہیں جب تک کسی کتاب لغت سے نہ بتائے جائیں قابل تسلیم نہیں اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لئے جائیں تو ہمیں یہاں لغوی معنی سے بحث نہیں ہمارا کلام اس میں ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو جو استعمال فرمایا اس کے معنی یہاں کل قوم پادری ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

حدیث مذکورۂ بالا میں مصرح ہے کہ دجال مدینہ شریف کی کسی زمین شور میں اترے گا اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ وہاں اس کا جانا قبل نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوگا حالانکہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ کل گروہ پادریاں نہ اب تک وہاں پہنچا نہ آئندہ کیلئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ سب کے سب جمع ہوکر تمام ایشیاء اور یورپ کو خالی کر کے اس زمین پاک میں جائیں گے پھر مجموع گروہ پادریان لفظ دجال سے کیونکر مراد ہوسکتی ہے۔

پھر ان بزرگوار کا جن کا ذکر حدیث موصوف میں ہے لاکھوں آدمیوں کے مقابلہ میں جا کر یہ کہنا کہ **اشھد انک الدجال** کیونکر صحیح ہوگا اس وقت یوں کہنا چاہئے **اشھدانکم الدجالون یا انکم الدجال**۔اسی طرح اس کا ساتھیوں سے پوچھنا کہ اگر میں اس کو مار کر زندہ کروں تو جب بھی تمہیں شک باقی رہے گا کیونکر صحیح ہوگا۔کیا اس جملے کو لاکھوں پادری ہم زبان ہوکر ادا کریں گے اور سب مل کر ہاتھوں ہاتھ ان کو مار ڈالیں گے پھر سب مل کر زندہ کریں گے۔اسی طرح اس بزرگ کا مخاطبہ(**ما کنت اشد بصیر تا فیک**)صیغۂ واحد کے ساتھ وغیرہ ان قرائن سے ہر شخص کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس ارشاد کے وقت ایک ہی شخص تھا یہ بات دوسری ہے کہ قرائن خارجیہ کے لحاظ سے کسی ضعیف الایمان کی عقل اس کو تمیز نہیں کرتی ہو جس کی پابندی مرزا صاحب کر رہے

ہیں۔ ہمارا کلام صرف اسی نقلی امر میں ہے جو حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان دار کو ضروری ہے۔

الحاصل ان حدیثوں پر غور کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ گروہ پادریوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال قرار دیا۔ ان کے سوا کئی حدیثیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ دجال پادریوں کا نام نہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے چند حدیثوں کا مضمون یہاں لکھا جاتا ہے۔

(1) دجال کے ماں باپ کو تیس سال تک اولاد نہ ہوگی۔

(2) دجال کا باپ دراز قد کم گوشت ہوگا اور اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں کے پستان دراز ہوں گی۔

(3) دجال یہودی ہوگا۔ مرزا صاحب نصاری کے پادریوں کو دجال کہتے ہیں۔

(4) دجال کا حلیہ یہ ہے کہ وہ جوان ہوگا اور اس کی تشبیہ ایک شخص کے ساتھ دی گئی جو حضرت کے زمانے میں موجود تھا اور صحابہ اس کو پہچانتے تھے۔

(5) اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔

(6) اس کو اولاد نہیں ہوگی۔

(7) جب وہ سوئے گا تو اس کی آنکھیں بند رہیں گی اور دل بیدار۔

(8) وہ اصفہان کے بعض دیہات سے نکلے گا۔

(9) وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ سیاحت کرے گا۔

(10) نہراون پر دجال کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ مسلمان غربی جانب ہوں گے اور وہ شرقی جانب میں۔

(11) عیسیٰ علیہ السلام اترتے ہی اس کو اور اس کے لشکر کو ہزیمت دیں گے اور اس کو قتل کریں گے اس وقت ہر چیز یہاں تک کہ دیواریں اور جھاڑوں کی ٹہنیاں مسلمانوں کو پکار

کر کہیں گے کہ کافر یہاں چھپا ہوا ہے اس کو مارلو۔

(12) دجال کے زمانہ میں مسلمانوں کی غذا تسبیح و تقدیس ہوگی جس سے ان کی بھوک جاتی رہے گی۔

(13) دجال جبل احد پر چڑھ کر مدینہ شریف کو دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ سفید محل احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مسجد ہے۔ پھر مدینہ میں جانا چاہے گا مگر جانہ سکے گا اس وقت مدینہ میں تین زلزلے ہوں گے جن سے منافق اور فاسق نکل پڑیں گے۔

ان کے سوا اور بہت سے حالات اور خصوصیات دجال کے احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند علامات کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں ذکر کر کے بعض کو تو رد ہی کر دیا اور بعضوں میں تاویلیں کیں۔

اگر چہ محدثین بھی بعض احادیث کو موضوع اور بعض کو ضعیف ٹھہرایا کرتے ہیں لیکن ان کے پاس یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب تک کسی حدیث کے روایوں میں کوئی جھوٹا حدیثیں دل سے تراشنے والا ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت کو ساقط الاعتبار نہیں کر سکتے پھر اگر ایسا شخص کسی حدیث کے راویوں میں پایا جانے کی وجہ سے حدیث کو موضوع یا ضعیف ٹھہراتے ہیں تو جب بھی یہ کھٹکا ان کو لگا رہتا ہے کہ شاید وہ حدیث موضوع نہ ہو اس لئے کہ آخر جھوٹا کبھی سچ بھی کہتا ہے اس وجہ سے وہ تلاش کرتے ہیں کہ وہ روایت کسی اور طریقہ سے آئی ہے یا نہیں۔

غرض وہ کمال احتیاط سے کام لیتے ہیں کیونکہ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقع میں فرمائی ہو اس کو لغو کر دینا یا نہ ماننا کمال درجہ کی بے ایمانی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے "**وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا**" ترجمہ جو کچھ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس کو لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اس تحقیق و تنقیح سے مقصود یہ کہ واقعی طور پر حضرت کا' فرمانا ثابت ہو جائے اس کام کیلئے انہوں نے خاص ایک علم اصول حدیث مدون کیا ہے جس میں تحقیق و تنقیح کے قواعد مقرر ہیں اور ایک فن خاص راویان

حدیث کی تحقیق کیلئے مدون کیا ہے جس کوفن رجال کہتے ہیں۔اس میں راویان حدیث کی سوانح عمریاں لکھے جاتے ہیں۔ ہر محدث کا فرض ٹہرایا گیا ہے کہ جس محدث سے ملاقات ہو خواہ وہ استاد ہو یا ہم عصر اس کے حالات کی پوری پوری تحقیق کر کے اپنے شاگردوں اور ملاقاتیوں کو اس پر مطلع کر دیں تا کہ آئندہ آنے والوں کو اس کے پورے احوال معلوم رہیں جس سے اس کی روایتوں کے ضعف وقوت کا اندازہ کرسکیں۔کسی حدیث کے خلاف عقل یا نقل ہونے سے اس حدیث کو وہ رد نہیں کر سکتے جب تک اس کا راوی مخدوش و مجروح ثابت نہ ہو کیونکہ جب نبی کا ارشاد سچے لوگوں کی روایت سے ثابت ہو جائے تو مومن کو اس کا ماننا ضروری ہے اس میں عقل کو دخل ہی کیا۔ جتنے لوگ کافرہ گئے اکثر بلکہ کل کو عقل ہی نے تباہ کیا۔

مگر مرزا صاحب نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ جو حدیث ان کے مقصود کے مضر یا مخالف ہو اس کو صاف باطل کہہ دیتے ہیں پھر اس پر بھی اکتفاء نہیں اس کے ماننے والوں کو مشرک اور بے دین بھی ٹہراتے ہیں۔ دیکھ لیجئے جن احادیث میں دجال کے استدراج مثلاً زندہ کرنا پانی برسانا وغیرہ امور مذکور ہیں ذکر کر کے صاف لکھ رہے ہیں کہ یہ مشرکوں کے اعتقاد ہیں۔اب غور کیجئے یہ سب احادیث حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کتابوں پر کس کو اعتقاد نہیں۔تمام فقہاء انہیں کتابوں سے استدلال کرتے ہیں، تمام اولیاء اللہ انہیں سے استفادہ کرتے ہیں، تمام اہل اسلام انہیں کتابوں کو اپنے دین کی کتابیں سمجھتے ہیں اگر بقول مرزا صاحب یہ اعتقادات شرک ہیں تو ان کتابوں کو شرک سے بھری ہوئی کہنا پڑے گا اور ان کے جمع کرنے والوں کو مشرک (معاذ اللہ)۔

ابھی معلوم ہوا کہ دجال کے زندہ کرنے کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے اور کنز العمال سے ظاہر ہے کہ تقریباً کُل محدثین نے دجال کے اس قسم کے استدراج کی حدیثیں بکثرت روایت کی ہیں۔اول درجہ میں ان حضرات پر الزام شرک کا عائد ہوتا ہے پھر ان کتابوں کے معتقدوں پر جن میں جمیع اہل سنت و جماعت شریک ہیں پھر یہ سلسلہ صرف

محدثین ہی پر ختم نہیں ہوسکتا، ان حدیثوں کے کل رواۃ صحابہ تک اس الزام سے بچ نہیں سکتے اور بڑے غضب کی یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا وہ بھی عین خطبہ میں جو خاص احکام الٰہی پہنچانے کیلئے موضوع ہے کس قدر وحشت انگیز ہوگا۔

اس سے بڑھ کر سنئے ازالۃ الاوہام کے صفحہ 322 میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بالکل فاسد اور غلط اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اوران میں پھونک مار کرانہیں سچ مچ کے جانور بنادیتا تھا۔ یہ مشرکانہ خیال کس اعتقاد کے نسبت جو قرآن شریف سے ثابت ہے، قال تعالیٰ ”**واذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني فتنفخ فيها فتكون طيرا بإذني**“ یعنی عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونکتے تو حق تعالیٰ کے اذن سے وہ پرندے ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں تقریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اہل ایمان خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بے باکی ہوگی۔ شعر۔

آن کس کہ زقرآن وخبر زونرہی۔ آنست جوابش کہ جوابش ندہی۔ ہم نے مانا کہ مرزا صاحب ان احادیث میں تاویل کر کے اپنی مرضی کے موافق بنالیتے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ خود ازالۃ الاوہام صفحہ 540 میں تحریر فرماتے ہیں کہ **النصوص يحمل على الظواهر مسلّم** ہے یعنی یہ بات مسلّم ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی لئے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ وغیرہم نے ان احادیث کے معنی وہی سمجھے جو مثل روز روشن ظاہر و باہر ہیں اور اس پر قرینہ قطعیہ یہ ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تاویل کی طرف کبھی اشارہ فرمایا نہ صحابہ سے کوئی تاویل مروی ہے نہ کسی محدث وفقیہ نے تاویل کی بلکہ جہاں ان کا مضمون بیان کیا وہی بیان کیا جو ہر شخص سمجھتا ہے۔ بہرحال تاویل نہ کرنے والے شروع سے آخر تک بقول مرزا صاحب مشرک ٹھہر رہے ہیں جن کی کوئی دوسری بات بھی قابل اعتبار نہیں رہ سکتی اس لئے کہ مستند اور معتبر تو وہ شخص ہوسکتا ہے جو متدین ہو اور آدمی کو غیر متدین بنانے والی شرک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

مرزا صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تمام جودت طبع صرف کر کے ایسے ایسے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ کسی کو اب تک نہ سوجھے۔شرک کی وہ ڈائٹ بتائی کہ بھولے بھولے خوش اعتقادلوگ گھبرا کر مرزا صاحب کا کلمہ پڑھنے لگے اور شدہ شدہ ایک گروہ بن گیا۔

ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اسی قسم کا شرک آیت شریفہ ’’**ان الحکم إلا لله**‘‘ سے ثابت کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمے لگایا گیا تھا۔جس نے بہتوں کو راہ استقامت سے ہٹا کر زمرہ خوارج واہل ہوا میں شریک کر دیا۔جن کا سلسلہ آج تک ختم نہیں ہوا مگر اہل حق اس شرک مصنوعی کو عین ایمان سمجھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اتباع سے ایک قدم نہ ہٹے اب بھی اہل ایمان کو چاہیئے کہ کمال استقلال سے اپنے قدیم عقیدہ پر ثابت قدم رہیں ورنہ وہی خوارج کا حال ہوگا۔

اس موقع میں بھی جب ہم سلف صالح پر نظر ڈالتے ہیں تو کل اہل سنت و جماعت بلکہ کل امت مرحومہ کا اتفاق اور صحابہ کا اجماع اس شرک مصنوعی پر مرزا صاحب کی مخالفانہ توحید کو محل خطر میں ڈال رہا ہے۔

ترسم کہ صرفۂ نبر د روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام

اور آیت شریفہ ’’**ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ و نصله جهنم، و ساء ت مصیرا**‘‘ اس نئے ایمان کی طرف ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور بے اختیار یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ ہر چہ گیر و علتے علت شود۔کفر گیرد کاملے ملت شود۔

ابھی آپ سن چکے ہیں کہ جو لوگ اہل حق کے مخالف ہیں اگر وہ قرآن بھی پڑھ کر سنانا چاہیں تو نہ سننا چاہیئے اگر اتباع حق منظور ہو تو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ اور سلف صالح کو اپنا مقتدیٰ بنائے اور سیدھے ان کے پیچھے پیچھے ہی چلئے جب تو امید قوی ہے کہ وہیں پہنچو گے جہاں وہ حضرات پہنچ گئے ہیں اور اگر آپ نے ان کی راہ چھوڑ دی تو یاد رکھیئے کہ ان سے تو آپ نہیں مل سکتے اور سوائے پریشانی کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ان حضرات کا طریقہ چھوڑتے ہی

پہلے پہل بہتر (72) راہیں آپ کے پیش نظر ہو جائیں گی جن پر ایک ایک گروہ قرآن و حدیث لئے ہوئے آپ کو اپنی طرف کھینچتا ہوگا۔ پھر مختلف دین وآئین والے دلائل عقلیہ کی تلواریں کھینچ کر آپ پر ہجوم کریں گے جن سے دین و ایمان کا بچانا مشکل ہوگا۔ اگر آپ اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو اس فقرہ پر عمل کیجئے جو کسی بڑے تجربہ کار کا قول ہے۔ یک در گیر محکم گیر۔

کلام اس حدیث میں تھا جو بخاری میں ہے "**تعلمون انه اعور و ان الله لیس باعور**" سمجھ رکھو کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ مرزا صاحب اس کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ دجال سے مراد فرقہ پادریان ہے اور ان کا اعور ہونا یہ ہے کہ ان کو دین کی عقل نہیں صرف ایک آنکھ ہے۔ یعنی عقل معاش ہے اگر اس کے یہی معنی قرار دیئے جائیں تو اس کا حاصل مطلب یہ ہوگا (یاد رکھو کہ پادریوں کو دین کی عقل نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی) اس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ خدائے تعالیٰ تو خالق عقل ہے، مسلمان تو کیا کافر بھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ کسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی یا نہ ہوگی۔ پھر اس اہتمام اور تاکید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا "**ان الله لیس باعور**" کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا صحابہ سے کسی نے یہ خیال کیا ہوگا کہ دجال یعنی پادریوں کو تو دین کی عقل نہ ہوگی مگر خدائے تعالیٰ کو بھی ہوگی یا نہ ہوگی جس کے جواب میں حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ ضرور ہوگی۔ معاذ اللہ صحابہ کی یہ شان نہیں کہ ایسا خیال کریں۔ پھر اگر دجال سے مراد گروہ پادریان ہو تو وہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں ان کا ذکر ہے اور ان کو دین کی عقل نہ ہونا بھی ثابت ہے کہ باوجود یہ کہ معجزات اور آیات بیّنات بچشم خود دیکھتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس زمانہ کے بیچارے پادریوں نے تو ایک بھی معجزہ نہیں دیکھا۔ دراصل اگر اعور کے یہی معنی ہیں تو یہ لفظ انہی کے واسطہ زیبا ہے ان کے مقابلہ میں ان کو اَرْمَدْ (ارمد اس شخص کو

کہتے ہیں جس کی آنکھ میں رو یعنی آشوب ہو) کہنا چاہئے اور اس دجال اعور کے قتل کے واسطہ نہ عیسیٰ کی ضرورت تھی نہ مثل عیسیٰ کی کیونکہ اس دجال کے وقت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دجال میرے وقت میں نکلے تو میں خود اس کا مقابلہ کرلوں گا، تمہاری ضرورت نہیں۔ ''**کما قال علیه الصلوٰۃ والسلام ان یخرج و انا فیکم فانا حجیجه دونکم رواہ احمد و مسلم والترمذی و ابن ماجة**'' (صحیح مسلم، کتاب الفتن ، باب ذکر الدجال، سنن الترمذی، ابواب الفتن ، باب ما جاء فی فتنۃ الدجال) ہاں دجال ارمد کیلئے اگر مثیل عیسیٰ کی ضرورت ہو تو وہ دوسری بات ہے مگر ہم نہ اس دجال ارمد کو دجال موعود کہہ سکتے ہیں نہ اس قاتل کو عیسیٰ موعود یہ دجال و عیسیٰ دونوں ماتحن فیہ سے خارج ہے ہمارا کلام نہ اس دجال میں ہے جس سے نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا اور حضرت نے اپنی امت کو اس سے ڈرا کر اس کی علامتیں بتلا دیں وہ دجال مرزا صاحب والا دجال ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ ''**ان الله لیس باعور**'' فرمانا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی علامتیں جو بکثرت بیان فرمائیں جن میں سے چند اوپر مذکور ہوئیں اس سے مقصود حضرت کا صاف ظاہر ہے کہ صرف خیر خواہی امت ہے تا کہ علامتیں اپنے دشمن کی معلوم کر رکھیں اور موقع پر اس کو پہچان کر اس کے شر سے بچیں مگر مرزا صاحب کو یہ خیر خواہی منظور نہ ہوئی۔ بالفرض اگر مرزا صاحب کی چل جائے اور پادریوں ہی کو دجال سمجھ بیٹھیں اور دجال اعور وقت مقررہ پر نکل آئے اور ضرور نکلے گا تو اس وقت یہ اس سے خالی الذہن رہیں گے اور جو مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی علامات بیان فرمانے سے تھا وہ تو خدانخواستہ فوت ہوجائے گا۔ معلوم نہیں اس سے مرزا صاحب کا کیا فائدہ ہوگا اور حضرت کو کیا جواب دیں گے۔ ازالۃ الاوہام اور مناظرہ مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو اصح الکتب سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی

روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور مردہ کو زندہ کرکے اس کی تصدیق بھی کر دکھائے گا تو اب مرزا صاحب کا پادریوں کو دجال قرار دینا بے موقع ہے اس لئے کہ بیچارے پادریوں میں تو سوائے معمولی باتوں کے ایک بھی بات ایسی پائی نہیں جاتی جس سے کوئی جاہل سے جاہل بھی ان کی خدائی کا خیال کرے ان سے بچانے کیلئے تو ایک ہی عام حکم کافی ہے، قولہ تعالیٰ "**یاأیھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض و من یتولھم منکم فانہ منھم**" یعنی جو کسی یہودی یا نصرانی کو دوست رکھے گا وہ بھی انہیں میں ہے اس وجہ سے پادریوں کو کوئی جاہل مسلمان بھی دوست نہیں رکھتا اور جو دل سے دوستی رکھتا ہے وہ کرستان ہو ہی جاتا ہے۔ اس میں پادریوں کا کیا قصور جن پر طمع دنیوی غالب ہوتی ہے۔ ہمیشہ ان کے دین و ایمان کی یہی کیفیت رہی ہے۔ دجال اعور اصطلاحی مرزا صاحب خود طمع دنیوی اور پیٹ کے دھندے میں گرفتار تھا۔ چنانچہ اس کا انجیل میں تحریف کرنا اسی غرض سے تھا کہ کچھ پیسے مل جائیں، قال تعالیٰ "**فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا**" اور دجال ارمد بھی اسی آفت میں پھنسا ہوا ہے اس کو دعوی الوہیت سے کیا سروکار وہ بیچارا تو سرراہ پٹا کرتا ہے اور اپنی مظلومی کو باعث فخر سمجھتا ہے قتل کر کے زندہ کرنا تو درکنار گورنمنٹ کے خوف سے کسی کو قتل کی تہدید بھی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب ہندوستان کے پادریوں کے فتنے جس قدر بیان کرتے ہیں سب واقعی ہیں مگر ایسے فتنے تو ہمیشہ اس امت میں ہوتے ہی رہے ہیں۔ شروع سے دیکھئے کیا یزید کا فتنہ کم تھا۔ اس کے بعد حجاج کا فتنہ جس سے صحابہ اور تابعین الحذر کرتے تھے علی ہذا القیاس قرامطہ اور چنگیز خان و ہلاکو وغیرہ کے فتنے عرب، عجم اور افریقہ وغیرہ بلاد اسلام میں ہوتے ہی رہے ہیں۔ پادریوں کا فتنہ ہندوستان میں ان فتنوں کے پاسنگ میں نہیں انکا اثر تو انہیں لوگوں پر ہوتا ہے جو ضعیف الایمان اور طمع دنیوی میں گرفتار ہیں۔

پھر مرزا صاحب جو ہندوستان کے پادریوں کو دجال قرار دیتے ہیں ان کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ دجال کا فتنہ ہندوستان کے ساتھ خاص ہے اور ممکن نہیں کہ کسی حدیث سے یہ ثابت ہو سکے کہ دجال ہندوستان میں نکلے گا بر خلاف اس کے احادیث مذکورۂ بالا سے ثابت ہے کہ وہ اصفہان کے دیہات سے نکلے گا اور حرمین شریفین وشام میں پہنچے گا حالانکہ پادریوں کا ان دونوں جگہ گذر ہی نہیں ان تصریحات کے بعد ہندوستان والے پادریوں کو دجال سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب کو دجال کی تلاش کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ عیسویت اور مہدویت کا دعویٰ بغیر اس کے صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان تینوں کے ظہور کا زمانہ بہت ہی قریب قریب ہے۔ مرزا صاحب نے اس موقع میں کمال ذہانت سے کام لے کر ان تینوں کا اتفاق پبلک کے سامنے پیش کر دیا کہ خود تو مہدی اور عیسیٰ ہیں اور پادری دجال۔ ان کے پہلے جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا ان میں کسی کو یہ نہ سوجھی انہوں نے صرف یہ خیال کر لیا تھا کہ دعوئ مہدویت کے زمانہ میں نہ عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے نہ دجال کی کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نصاری کے ساتھ پہلے جنگ کریں گے۔ اس کے بعد دجال نکلے گا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ دجال اور عیسیٰ کی خبر اگر پوچھی جائے گی تو کہہ دیا جائے گا کہ وہ بھی ابھی آتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اس سوال وجواب کی بھی ضرورت باقی نہ رکھی کیونکہ جب دجال، مہدی اور عیسیٰ اکھٹے ہو گئے تو اب کونسی حالت منتظرہ ہے جس کے پوچھنے کی ضرورت ہو۔ غرض سیدھے سادھے مسلمان ان لوگوں کے دعوؤں کو بھی قبول کرتے رہے اور لاکھوں کا مجمع ان کے ساتھ ہو گیا اب بھی وہی کیفیت ہے۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بہت سی علامتیں ذکر فرما کر آخری علامتوں میں یہ فرما دیا تھا کہ مہدی نکلیں گے اور اسلام کی تائید میں نصاری سے سخت جنگ کر کے فتح پائیں گے اور پھر دجال نکلے گا اور اُس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں

گے۔ چونکہ ہر مسلمان کا کامل اعتقاد ہے کہ حضرت کی جملہ پیشن گوئیاں باطلاع وحی الٰہی تھیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى" (سورہ نجم)۔ اس لئے جب وہ کوئی تغیر اورنئی بات دیکھتے فوراً قیامت ان کی پیش نظر ہو جاتی اس کا انتظار صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ ابن صیاد یہودی سے جب بعض خوارق عادات صادر ہونے لگے تو بعض صحابہ کوگمان ہو گیا تھا کہ کہیں یہی دجال نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا ارادہ مصمم کرلیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو روک دیا کہ اگر یہ وہی دجال موعود ہے تو اس کو تم قتل نہیں کر سکتے اس کا قتل عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مقدر ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل بیجا ہے۔

یہاں یہ خلجان ہوتا ہے کہ دجال کا واقعہ تو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں اس کو دجال کیوں سمجھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نہایت حزم واحتیاط تھی جس کا حال ان کی سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شجرہ بیعت رضوان باوجود یہ کہ متبرک مانا جاتا تھا اور لوگ دور دور سے اُس کی زیارت کو جاتے تھے مگر انہوں نے اس احتیاط کے لحاظ سے کہ کہیں پرستش شروع نہ ہو جائے اس کو کٹوا ڈالا۔ غرض جب آپ نے دیکھا کہ ابن صیاد یہودی بھی ہے اور خوارق عادات بھی کچھ کچھ اس سے صادر ہو رہے ہیں اور دجال میں بھی یہی باتیں ہوں گی اپنے اقتضائے طبع کے مطابق حفظ ماتقدم اور حزم کے لحاظ سے چاہا کہ ابتدا ہی میں اس شجرہ خبیثہ کی بیخ کنی کر دی جائے۔ یہاں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینی طور پر کیوں نہیں فرمادیا کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ قیامت کا وقت مبہم رہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ بہت دور ہے تا کہ مسلمانوں کا ہر وقت خیال لگا رہے کہ شاید وہ ابھی قائم ہو جائے جس کی وجہ سے عمل خیر میں ساعی رہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ط ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ لَا تَأْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً. یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰه‘‘ (سورہ اعراف) ترجمہ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کب ٹھہراؤ ہے کہئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دیگا اس کو اپنے وقت بھاری ہے وہ آسمان اور زمین میں، وہ تم پر آئے گی تو یکا یک آئے گی۔ ایسے پوچھنے لگتے ہیں گویا آپ اس کے تلاشی ہوں تو آپ کہئے کہ اس کا علم خاص اللہ کے پاس ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہے ’’وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُو قُلْ عَسیٰ اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ‘‘(سورہ نبی اسرائیل) یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہے؟ آپ کہئے کہ شاید وہ قریب ہی ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر فرمایا کرتے کہ میں قیامت کے قریب مبعوث ہوا ہوں۔ غرض ان آیات واحادیث سے قیامت ہر وقت صحابہ کے پیش نظر رہتی تھی اور اپنی عادت کے مطابق قریب کے معنی سمجھتے تھے۔ یہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قریب کس مقدار کے زمانہ کا نام ہے وہاں تو ایک دن ہزار برس کا ہے، کما قال تعالیٰ ’’وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَرَبِکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْن‘‘ (سورہ حج) یعنی ایک دن تمہارے رب کے پاس اُن ہزار سال کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ اس حساب سے تو آنحضرت کے زمانہ سے آج تک دیڑھ دن بھی نہیں گذرا اگر اُس زمانہ میں کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو بھی دو ہزار سال تک کسی کو پوچھنے کا حق نہ تھا اور فردائے قیامت اُس پر برابر صادق آسکتا۔

غرض مصلحت الٰہی اسی کو مقتضی ہے کہ قیامت کا حال پوشیدہ رہے اور لوگ اُس کو قریب سمجھتے رہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مرضی شناس حق تعالیٰ کے تھے اس وجہ سے ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کی نہ آپ نے تصدیق کی نہ انکار فرمایا بلکہ ایک ایسا مجمل کلام فرمادیا کہ مقصود فوت نہ ہو، یعنی ارشاد ہوا کہ اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کو مار نہ سکو گے اور اگر نہیں ہے تو اس کا قتل بیجا ہے۔

اب ابن صیاد کا بھی تھوڑا حال سنئے کہ کیسا پہلو دار ہے۔ جامع ترمذی میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ دجال کے ماں باپ کو تیس برس تک بچہ نہ ہوگا اور اس کے بعد ایک لڑکا ہوگا۔ایک چشمی جس کا ضرر زیادہ ہوگا اور نفع کم اس کے سونے کی یہ کیفیت ہوگی کہ آنکھوں میں تو نیند رہے گی اور دل ہوشیار اور باپ اس کا بہت بلند قد کم گوشت اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں موٹی، دراز پستان ہوگی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک لڑکے کی شہرت ہوئی کہ عجائب روزگار سے ہے۔ میں اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے دیکھا کہ ایک مرد اور اس کی عورت کا وہی حلیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ہم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کوئی لڑکا بھی ہے انہوں نے کہا کہ تیس برس کے بعد ہمیں ایک لڑکا پیدا ہوا جو ایک چشمی ہے۔ اس سے نقصان بہت ہے اور نفع کم، سوتا ہے تو آنکھیں بند رہتی ہیں اور دل ہوشیار۔ ہم ان کے پاس سے جب نکلے تو وہ دھوپ میں کچھ اوڑھا ہوا پڑا گُنگنا رہا ہے۔ ہماری آہٹ سنکر پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ہم نے کہا کہ کیا تو نے سنا؟ کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔ (سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ذکر ابن صیاد) مسلم شریف میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں میرا اور اس کا ساتھ ہوا اس نے بہت سی باتیں کہیں کہ صحابہ مجھے دجال سمجھتے ہیں حالانکہ دجال چنین و چناں: ایسا ویسا ہے اور وہ باتیں مجھ میں نہیں ہیں۔ اس کی باتیں میرے دل میں اثر کر رہی تھیں کہ کسی نے پوچھا کہ اگر تو ہی دجال ہو تو تجھے اچھا معلوم ہوگا یا نہیں کہا اگر وہ خدمت پیش کی جائے تو میں اس کو مکروہ نہ سمجھوں گا اور پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم دجال کی پیدائش کی جگہ اور اس کا مقام میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اب وہ کہاں ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں سنکر مجھے پھر اشتباہ ہوگیا۔ انتہی ملخصًا۔ (صحیح مسلم، باب ذکر ابن صیاد، ابواب الفتن واشراط الساعۃ)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد مدینہ شریف کے کسی راستہ میں مجھ سے ملا اتنا پھولا کہ راستہ بھر گیا۔ میں نے اس کو ڈُ نکار کر کہا کہ تیری کچھ قدر نہیں یہ کہتے ہی وہ سمٹ گیا اور میں راستہ پا کر چلا گیا۔ انتہیٰ ملخصًا۔ (کنز العمال، حرف القاف، باب ابن صیاد)

اس کے سوا اس کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ کو اس کے دجال ہونے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر دس قسمیں کھانا بہتر سمجھتا ہوں۔ اس سے کہ اس کے دجال نہ ہونے پر ایک قسم کھالوں یعنی دس حصہ گمان ہے کہ وہی دجال ہوگا۔ (کنز العمال، حرف القاف، باب ابن صیاد)

پھر موت میں بھی اس کے اختلاف ہے۔ بعض روایات سے اس کا مرنا معلوم ہوتا ہے مگر سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں یزید کا لشکر مدینہ طیبہ پر آیا تھا ابن صیاد گم ہو گیا۔ الحاصل جب منظور الٰہی تھا کہ علی التعین قیام قیامت کا زمانہ کسی کو معلوم نہ ہو اور اس کو دور بھی نہ سمجھیں جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے تو حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ حضرت ہی کے زمانہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہو کہ اس کے دجال ہونے کا گمان تمام مسلمانوں کو ہو جائے اور اس کے ظہور سے خائف وترسان رہ کر اپنے ایمان کے استحکام کی فکر میں لگے رہیں اور خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں کہ الٰہی اس کے فتنہ سے ہمیں بچائیو اسی وجہ سے ہمارے خیر خواہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم فرمادی کہ ہر نماز کے آخر میں یہ دعا کیا کریں۔ ''**و اعوذ بک من شر فتنة المسيح الدجال**''۔

آپ حضرات اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ اُس زمانہ میں نہ ابن صیاد کوئی ایسا شخص تھا کہ اس کی ذات سے کچھ خوف ہو نہ اس کے دجال سمجھنے سے یہ خیال کیا گیا کہ اس حالت موجودہ کے لحاظ سے وہ قابل خوف تھا۔ چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو ایک لکڑی ایسی ماری کہ اس کے جسم پر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مسیح الدجال یہی ابن صیاد ہے جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے۔ البتہ

خوف اُس کے اُس فتنہ کا تھا جو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جس کے انسداد کی غرض سے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**فان یکن الذی تخاف لن تستطیعَ قتلَه**'' (رواہ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب ذکر ابن صیاد، کنز العمال، جلد ہفتم، ص۲۰۲) یعنی اگر یہ وہی دجال ہے جس سے تمہیں خوف ہے تو تم اُس کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ عیسیٰ ابن مریم اُس کو قتل کریں گے۔ رواہ احمد بن حنبلؒ۔

اصل واقعات ابن صیاد کے یہ تھے جو مذکور ہوئے۔ مرزا صاحب کو چونکہ عیسویت جمانے کی غرض سے دجال کی بہت تلاش تھی کمال پریشانی میں لفظ دجال ابن صیاد کے نسبت جو مل گیا بے خود ہو گئے کہ اب کیا ہے دجال کو مار لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دجال معہود حضرت ہی کے زمانہ میں مر گیا اب از خود رفتہ ہیں کبھی تو تمام اہل سنت و جماعت پر بلکہ تمام اہل اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کہ یہ سب مشرک ہیں کہ دجال موعود کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں۔ کبھی اکابر علمائے امت پر وار ہے کہ ان ملاؤں نے دجال کو ہوا بنا رکھا ہے کبھی اکابر محدثین پر طعن ہے کہ ان کی ایک کتاب بھی خواہ بخاری ہو یا مسلم قابل اعتبار نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دجال کے آخر زمانہ میں نکلنے کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں ہیں اور ابن صیاد کے دجال ہونے کی روایتیں بھی انہیں میں ہیں۔ اس لئے **اذا تعارضا تساقطا** پر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا چاہئے اور دجال کے استدراج میں جو احادیث صحاح میں وارد ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں (سوچنا چاہئے کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہاء بھی ہے) جملہ اہل سنت و جماعت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری ہے اور خود مرزا صاحب بھی اپنے استدلال کے موقع میں یہ فقرہ پیش کیا کرتے ہیں اور بقیہ کتب صحاح کے نسبت اجماع ہے کہ ان میں کوئی حدیث موضوع نہیں مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں، سخت حیرت کا مقام ہے۔

ابن صیاد کو دجال سمجھنے اور قیامت کے قریب خروج دجال میں مرزا صاحب تعارض قرار دے کر کل حدیث کی کتابوں کو جو بے اعتبار بنا رہے ہیں، معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے۔ تعارض تو جب ہوتا کہ صحابہ اُس کی تصریح کر دیتے کہ دجال نکل چکا اور اب وہ قیامت تک نہ نکلے گا حالانکہ یہ تصریح کسی کتاب میں نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ''**فان یکن الذی تخاف لن تستطیع قتله انما صاحبه عیسیٰ ابن مریم**'' (مسند امام احمد، مسند جابر بن عبداللہ) اس سے ظاہر ہے کہ اُس کا خوف عمر رضی اللہ عنہ کو اُس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اُس کے اُس فتنہ کے لحاظ سے تھا جس کو بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے تھے ورنہ کس کو خبر تھی کہ دجال کس بلا کا نام ہے اس کا نام تو ابن صیاد مشہور تھا۔ پھر اس سے کوئی فتنہ بھی ایسا ظہور میں نہیں آیا جو دجال کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں (ابن صیاد کوئی کام بھی ایسا نہیں دکھایا جو دجال معہود کے نشانیوں میں سے سمجھا جائے) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دجال معہود سمجھتے تو صحابہ ضرور تخطیہ کرتے کہ اس کا خروج تو قیامت کے قریب ہوگا، پہلے بیت المقدس فتح ہوگا اس کے ساتھ مدینہ منورہ کی ویرانی اُس کے بعد جنگ عظیم ہوگی اور امام مہدی نکلیں گے اور وہ شہر فتح ہوگا جس کا ایک جانب سمندر میں ہے اور ایک جانب خشکی میں اور سب غنیمت کی تقسیم میں مصروف ہوں گے کہ ایکبارگی ایک شخص دوڑتا ہوا آکر پکار دیگا کہ دجال نکلا اور ان سب علامتوں کے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری علامتیں بکثرت بیان فرمائی ہیں جن میں چند یہ ہیں کہ لوگ اونچے اونچے مکان بنائیں گے اور علم بالکل مفقود ہو جائے گا، زنا اور لواطت اور شراب خواری علانیہ اور کثرت سے ہوگی، زلزلے بہت ہوں گے، ترک و کرمان و عجم کے ساتھ جنگ ہوگی۔ تقریباً تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جو رسالت کا دعویٰ کریں گے۔ ان کے سوا اور بہت سی علامتیں ہیں جو خروج دجال سے پہلے ظہور میں آئیں گے۔ الغرض اس کو دجال کہنے سے مراد عمر رضی اللہ عنہ کی اگر یہ ہوتی کہ ظہور ابن صیاد کا خروج دجال موعود ہے تو دوسرے صحابہ صاف کہہ

دیتے حضرت ہی کی زبان مبارک سے ہم نے دجال کا نام سنا ہے اور اُس کے خروج کا وقت حضرت ہی نے بیان فرمادیا ہے۔ کہ ان تمام امور کے ظہور کے بعد ہوگا پھر سب سے پہلے وہ کیوں کر نکل آیا بلکہ حضرت خود فرمادیتے کہ میں اس کا وقت خروج ان علامات کے بعد بتلا رہا ہوں اور تم اس کو ابھی سے نکال رہے ہو۔ غرض اس سے ظاہر ہے کہ اس کو دجال کہنا مجازاً تھا۔ حقیقتہً نہ تھا جابر رضی اللہ عنہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے یہ بھی روایت کررہے ہیں کہ دجال نکلنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ لوگ ان سے کہیں گے کہ اے روح اللہ امامت کیجئے وہ کہیں گے کہ تمہارا ہی امام نماز پڑھادے۔ چنانچہ نماز کے بعد آگے بڑھ کر دجال کو قتل کریں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن صیاد کو آئندہ کے لحاظ سے دجال کہا گیا جس کے نکلنے کا وقت قریب قیامت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ دجال کے پہلے تیس جھوٹے نکلیں گے سب کے آخر میں دجال نکلے گا اور اس کا فتنہ سب سے بڑا ہوگا اگر وہ ابن صیاد کو دجال موعود سمجھتے تو ان حدیثوں کو روایت نہ کرتے ورنہ محل اعتراض تھا کہ اجتماع ضدین کیسا اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ظن غالب تھا کہ یہی ابن صیاد خروج کریگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ (کنز العمال، جلد ۷، ص ۱۶۱۰ تا ۱۶۱۶)

اور نیز عبداللہ بن عمر جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں شک نہیں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ دجال مدینہ منورہ کی زمین شور میں آئے گا اور آخر میں مارا جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اس حالت میں یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موعود ہی ہے اور فتنہ اس کا وقوع میں آچکا۔ (صحیح مسلم، باب ذکر الدجال، سنن الترمذی، باب ماجاء فی علامۃ الدجال، کنز العمال، جلد ۷، ص ۲۱۱۶)

اور نیز جابر رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم کھاتے ہیں۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ دجال کی پیشانی پر ’’ک ف ر‘‘ لکھا ہوگا، حالانکہ خود انہوں نے دیکھا تھا کہ ابن صیاد کی پیشانی پر کچھ بھی نہ تھا جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے

تھے کہ اس میں اُن علامات کے ظہور کا وقت دوسرا ہے ورنہ بجائے اِس کے کہ اُس کے دجال ہونے پر وہ قسمیں کھائیں دجال نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ۔(کنزالعمال، جلدے،ص۲۱۰۴)

ان روایات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے پاس ابن صیاد کے دجال ہونے کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس کا خروج موعود ہو چکا بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا فتنہ اورسب علامات اِسی وقت ظہور میں آئیں گے جب دوبارہ وقتِ معین پر نکلے گا۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم کھانا اس بات پر دلیل نہیں کہ دجال مر گیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اس امر پر دلیل ہوسکتا ہے کہ دجال کے فتنہ موعودہ میں شک تھا بلکہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس دجال کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے وہ یہی شخص ہے یا اور کوئی۔

مرزا صاحب جو تمام صحاح کو ساقط الاعتبار بنا رہے ہیں اُس کا منشاء صرف یہی ہے کہ دو چار صحابیوں نے جو کہا تھا کہ ابن صیاد دجال ہے اس کو حقیقت پر محمول کر رہے ہیں اگر اس کو مجاز پر محمول کرتے تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا۔ آخر عیسیٰ اور دجال کے معنی بھی تو وہ مجازی ہی لے رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خود ہیں اور شخص دجال گروہ پادریاں۔

مرزا صاحب کا بڑا اعتراض یہ ہوگا کہ اگر وہ قیامت کے قریب دجال ہونے والا تھا تو اُس وقت اُس کو دجال کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کل اہل عربیت جانتے ہیں کہ اس کو مجاز باعتبار یُــئـو وَّلُ کہتے ہیں جو مجاز مرسل کی ایک قسم ہے، قرآن شریف میں اس کے نظائر موجود ہیں اَعْــصِــرُ خَـمْـرًا ظاہر ہے کہ خمر نہیں نچوڑا جاتا شیرے کو خمر باعتبار مایوول کہا گیا وقال تعالیٰ ’’اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ‘‘ (سورہ نساء رکوع ۱) یعنی جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ لوگ آگ کھاتے ہیں اموال کو حق تعالیٰ نے باعتبار مایوول آگ فرمایا وقال تعالیٰ ’’حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ‘‘ (سورہ بقرہ رکوع ۱۳) ظاہر ہے کہ نکاح زوج کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے وقت وہ اجنبی ہوتا ہے جس پر زوج کا اطلاق ہوا۔ قافلہ سفر سے واپس آنے والے گروہ کو کہتے ہیں کیونکہ

قفول کے معنی سفر سے واپس آنے کے ہیں حالانکہ جانے والے گروہ کو بھی قافلہ کہتے ہیں۔ اور یہ تو ہمارے عرف میں بھی شائع ہے کہ حج کے جانے والے کو حاجی صاحب اور لڑکوں کو مولوی صاحب کہتے ہیں حالانکہ ہنوز وہ ان الفاظ کے معنی کے مستحق نہیں ہوتے۔

الحاصل ابن صیاد کو قبل دجال ہونے کے کہنا بھی اسی قسم کا ہے اب دیکھئے کہ ان احادیث میں تعارض کہاں رہا دونوں کا مطلب یہی ہوا کہ دجال موعود آخری زمانہ میں نکلے گا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جزم کرنے سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو چکا ہے اور اپنے ظہور موعود کے وقت تک زندہ رہے گا اور یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہزار سال کی عمر نوح علیہ السلام کی نص قطعی سے ثابت ہے پھر اگر اس سے زیادہ کسی کو خدائے تعالیٰ زندہ کھے تو کیا تعجب ہے۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قابل غور ہے۔ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے دجال ہونے کا علم کس قسم کا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ اس کا دجال ہونا نہ اولیات (یعنی وہ قضایا ہیں جن کے طرفین کو تصور کرتے ہی عقل ان کے صدق کا جزم کرے جیسے الواحد نصف الاثنین) سے ہے نہ فطریات (یعنی وہ قضایا ہیں جن کا جزم ایسے واسطہ کی طرف محتاج ہو جو ذہن سے غائب نہ ہو مثلاً الاربعۃ زوج اس میں واسطہ انقسام متساوی میں ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے) سے نہ مشاہدات (جیسے الشّمس مشرقۃ) اور نہ وجدانیات (جیسے لنا جوع او عطش) سے نہ تجربیات و وہمیات محسوسہ وحدثیات (یعنی نور القمر مستفاد من نور الشّمس) سے اور نہ متواترات سے اس لئے کہ اس وقت تک کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ دجال ہی رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہوگا سو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ خود حضرت نے ان کی تصدیق نہیں کی۔ بہرحال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کے دجال ہونے کا علم عمر رضی اللہ عنہ کو یقینی نہ تھا کیونکہ یقینیات کے کسی قسم میں وہ داخل نہیں ہوسکتا جو مذکور ہوئے۔ البتہ قرائین خارجیہ کے لحاظ سے اس کا ظن ہو گیا ہو تو ممکن ہے۔

مرزا صاحب کے اصول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا کبھی ثابت نہیں ہوسکتا

کیونکہ ایسے جلیل القدر صحابی ایسی بات پر قسم کھانا جس کا ثبوت نہ شرعًا ہو نہ عقلاً ہرگز قرین قیاس نہیں ہوسکتا مگر چونکہ یہ روایت معتبر کتابوں میں ہے اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ حتی الوسع اس کی مناسب توجیہ کریں۔ بات یہ ہے کہ عرب کا دستور تھا اور اب تک ہے کہ محتملات ومظنونات پر بھی قسم کھالیا کرتے ہیں اِس قِسم کی قَسم کو یمین لغو کہتے ہیں جس کے خلاف واقع ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ أَیْمَانِکُمْ'' (سورہ بقرہ رکوع ۱۲) تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو صحابہ تیر اندازی کررہے تھے۔ ایک شخص نے کہا اَصَبْتُ وَاللّٰہِ یعنی بخدا نشانہ پر ماردیا اور وہ خلاف واقع تھا کسی نے عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص حانث ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا یہ یمین لغو ہے اس میں کفارہ نہیں اور ابن عباس اور ابوہریرہ اور ابراہیم بن ابی موسیٰ الاشعری اَوْ ابراھیم بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری واللہ اعلم رضی اللہ عنہم یمین لغو کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آدمی جس چیز پر قسم کھاتا ہو اس کے سچ ہونے کا گمان کرے اگرچہ درحقیقت وہ سچ نہ ہو۔ انتہیٰ ملخصًا۔ (تفسیر الدرالمنثور، المائدۃ: ۲۲۵)

الحاصل جب یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ممکن نہیں کہ یقین پر مبنی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ وہ یمین لغو شمار کی جائے کیونکہ اس کی تعریف بھی اس یمین پر صادق آرہی ہے اور صحابہ کے اقوال سے ثابت ہوا کہ ایسی قسم خلاف واقع پر بھی ہوا کرتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا دجال ہونا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم ہی سے مشکوک ہوگیا۔

اب ہم ایک دلیل مستند پیش کرتے ہیں جس سے اس کا دجال نہ ہونا ثابت ہو جائے۔ وہ یہ روایت ہے جو صحیح مسلم حدیث تمیم داری درباب دجال میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اعلان دیا کہ سب حاضر ہوں۔ اُس کے بعد حضرت نہایت خوش تبسم فرماتے ہوئے منبر پر تشریف رکھے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہیں

کس لئے جمع کیا اس وقت کوئی ترغیب وترہیب مقصود نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی شخص تھے، اسلام لائے اور ایک واقعہ ایسا بیان کیا کہ میں نے جو تمہیں دجال کی خبر دی تھی اُس سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری کشتی شدت ہوا کی وجہ سے کسی کنارے پر جالگی جب ہم اس جزیرے میں گئے تو ایک عجیب شخص سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے تو اس کو شیطان ہی سمجھا تھا مگر اس نے چند باتیں پوچھیں جس کا ہم نے جواب دیا۔ منجملہ اس کے ایک بات یہ تھی کہ نبی ایمن کی کیا حالت ہے۔ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکل کر یثرب میں ٹھہرے ہیں۔ کہا عرب نے ان سے جنگ کیا؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا پھر کیا ہوا؟ ہم نے کہا قریب قریب کے لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ پوچھا ایسا ہوا ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا ان کی اطاعت ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے۔ پھر کہا میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں۔ قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل جائے۔ میں تمام زمین میں پھروں گا مگر مکہ اور طیبہ میں نہ جاسکوں گا۔ حضرت نے فرمایا یہی طیبہ ہے، یعنی مدینہ۔ پھر حضرت نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پیشتر ہی میں تم سے یہ کہہ چکا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا درست ہے۔ فرمایا تمیم داری کا یہ واقعہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا کہ جو میں نے تم سے کہا تھا اسی کے موافق ہے۔ پھر فرمایا یہ طیبہ ہے اور وہی دجال ہے۔ انتہیٰ ملخصًا۔ (صحیح مسلم، باب قصۃ الجساسۃ)

اب دیکھئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی خبر کی تصدیق کی اور عمر رضی اللہ عنہ کے تخمین وگمان کی تصدیق نہیں کی تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابن صیاد دجال نہ تھا کیونکہ ایک روایت سے تو اس کا مرنا ہی ثابت ہے اور جو روایت اس کے خلاف ہے اس سے اس کے مفقود ہونے کا زمانہ خلفائے راشدین کے بعد کا ہے۔ بہر حال کسی طرح ابن صیاد وہ دجال نہیں ہوسکتا جس کی خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ازالۃ الاوہام صفحہ 842 میں اس حدیث کا جواب مرزا صاحب اس طور سے دیتے ہیں کہ مسلم شریف میں تمیم داری کی حدیث کے آخر میں یہ ہے ''الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ماھو واومی بیدہ الی المشرق ''یعنی من قبل المشرق ماھو کہا دجال بحر شام میں ہے یا بحر یمن میں نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا مثل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

مرزا صاحب نے عبارت مذکورہ حدیث میں کسی غرض سے اختصار کیا ہے، پوری عبارت یہ ہے ''لا بل من قبل المشرق ما ھو من قبل المشرق ماھو واومی بیدہ الی المشرق ''مرزا صاحب نے (من قبل المشرق ماھو) کا ترجمہ یہ لکھا ہے (وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا نہیں وہ) اردو جاننے والے معتقد تو مرفوع القلم ہیں ان کے حق میں مرزا صاحب کا قول خود بجائے وحی ہے مگر عربی داں سمجھ سکتے ہیں کہ من قبل المشر ق کے لفظ سے (وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا) سمجھنا درست ہے یا نہیں کیونکہ اس جزو جملہ میں کوئی ضمیر نہیں جو دجال کی طرف راجع ہو اور نہ لفظ یخرج کہیں مذکور ہے۔شاید من کا متعلق یہ نکالا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ من زائدہ ہے جیسا کہ مغنی اللبیب میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے ''اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النّاسِ عذاباً یومَ القیامۃِ المصورون ''۔

(ماہو) کے معنی (نہیں وہ) انہوں نے لکھا ہے اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ نہ نکلے گا بلکہ مثیل نکلے گا حالانکہ سیاق کلام سے یہ بالکل مخالف ہے اس لئے کہ مقصود یہاں دجال کا مقام معین کرنا ہے کہ وہ بحر شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اس کے بعد (نہیں وہ) کہنے کا کوئی موقع نہیں۔

مرزا صاحب کی تقریر کا ماحصل یہاں یہ ہوتا ہے کہ حضرت نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے دجال کا سارا قصہ سن کر سب صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ میں اس مضمون کا پڑھا کر میں نے دجال کا حال جو تم سے کہا تھا تمیم داری رضی اللہ عنہ کے چشم دید واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی

ہے وہ دجال سے مل کر اوراس سے گفتگو کر کے آئے ہیں وہ مشرقی دریا میں ہے وہ نہیں۔اب غور کیجئے اس قدر اہتمام کے بعد یہ فرمانا کہ وہ نہیں کس قدر حیرت انگیز ہوگا۔پھر **من قبل المشرق ماھو** کو تین تین بار دھرا کر فرمانے کا کیا مطلب ہوگا۔مرزا صاحب اس ما کونافیہ لیتے ہیں اس صورت میں اس جملہ کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ مشرق کی طرف نہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے کہا تھا کہ وہ مشرق کی طرف ہے جس کا انکار حضرت بکرّات ومرات فرمارہے ہیں اوراگر حسب تجویز مرزا صاحب اس عبارت کے دو جملے قرار دیئے جائیں ایک **من قبل المشرق** یعنی دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا اوردوسرا **ما ھو** یعنی وہ نہیں تو حضرت کا تین بار یہ فرمانا کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں کس قدر بے موقع ہوگا۔

اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ ان متضادہ مضمونوں کے دو جملوں کی تکرار فصاحت سے کیسی اجنبی ہوگی۔پھر یہاں ایک اورسوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت کا مقصود اس سے یہ سمجھا جائے کہ دجال نہ نکلے گا بلکہ ہندوستان سے اس کا مثیل نکلے گا تو صحابہ ضرور یہ پوچھ لیتے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ جس دجال کو دیکھ آئے ہیں اوروہ مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہ نکلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔کیا اپنی ہی جگہ بیٹھا بیٹھا مرجائے گا اورکسی زمانہ میں نکلے گا اورکبھی نہ نکلے گا تو اس کے دجال ہونے سے ہمارا کیا نقصان یہ تو بڑی بشارت کی بات ہے کہ جس دجال سے آپ ڈراتے تھے اس سے تو بے فکری ہوگئی۔غرض کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس عبارت سے وہ مضمون سمجھا جاتا ہے جو مرزا صاحب لکھے ہیں۔

یہ سب خرابیاں ماھو کے ما کو نافیہ لینے سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ مرزا صاحب کو مثیل دجال ثابت کرنا ہے، اس لئے اس تحریف کی ضرورت ہوئی۔امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے ''**قال القاضی لفظة ما ھو زائدة صلة للکلام لیست بنافیة والمراد اثبات انه فی جھات المشرق انتھی**'' دراصل یہ مازائدہ غیر کافہ ہے جس کی مثالیں مغنی

اللبیب میں یہ لکھی ہیں ’’**شتان مازید و عمرو** ‘‘اور’’قول مہلہل‘‘’’**لوما بانین جاء یخطبها** ‘‘’’**زمل ما انف خاطب بدم**‘‘ ترجمہ:اس عورت کو پیام کرنے والا اگر دو پہاڑوں کے برابر سونا لادے تو اس کی ناک خون آلود کی جائے، بان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس صورت میں ’’**بل من قبل المشرق ماهو** ‘‘ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ دریائے شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اور اس جملہ کو مکرر کرنے سے یہ غرض تھی کہ اس کو یاد رکھیں اور یقینی سمجھ لیں کہ دجال ایک شخص معین مشرق کی جانب میں اس وقت زندہ موجود ہے۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قدر اہتمام اور تاکید سے اس کے شخص معین اور زندہ ہونے کی خبر دیں اور مرزا صاحب اس کی کچھ پروا نہ کر کے یہ کہیں کہ دجال کوئی چیز نہیں صرف پادریوں کا نام ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک**۔

اسی مقام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمیم داری رضی اللہ عنہ کے دجال کا یقین کیا تھا بلکہ تصدیق اس بات کی پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں داخل نہیں ہوگا۔

آپ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ترجمہ ابھی پڑھ چکے ہیں جس میں یہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے تمیم داری کا پورا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دجال سے ملے اور اس سے سوال و جواب کئے اور دجال نے ان سے کہا کہ میں مسیح دجال ہوں اور قریب میں مجھے نکلنے کی اجازت ملنے والی ہے۔ پھر حضرت نے اس کی تصدیق کی کہ وہی دجال تھا۔ چنانچہ لفظ **ذلک الدجال** صراحۃً موجود ہے، باوجود اس کے مرزا صاحب کس دھٹائی سے کہتے ہیں کہ اس پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی حضرت کے زبان سے نہیں نکلے اس کا کیا علاج، اگر کسی کو ہمارے بیان میں شبہہ ہو تو مسلم شریف میں دیکھ لے کہ وہ سب قصہ اور لفظ **ذلک الدجال** اس میں موجود ہے یا نہیں۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی موجود ہے کہ تمیم داری کا دیکھا ہوا واقعہ بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”**الا هل كنت حدثتكم ذلك فقال الناس نعم فانه اعجبنى حديث تميم انه وافق الذى كنت احدثكم عنه**“ ماحصل اس کا یہ ہے کہ سب صحابہ سے حضرت نے پوچھا کہ کیوں دجال کی خبر میں نے تمہیں پیشتر دی تھی۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا کہ تمیم داری کا چشم دید واقعہ مجھے اچھا معلوم ہوا جس سے میری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو تم سے اکثر کہا کرتا تھا۔اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے پیشتر بھی خبر دی تھی کہ دجال ایک شخص معین ہے اور کسی جزیرہ میں مقید ہے اور معین وقت پر نکلے گا جس کی تصدیق تمیم داری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوئی اور چونکہ اس خبر کا ثبوت مشاہدہ سے ہوگیا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال درجہ کی فرحت ہوئی اور نہایت خوشی سے ہنستے ہوئے بر سر ممبر بیان فرمایا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور آخر میں لفظ اعجبنی سے اس کی تصریح بھی کی۔ مگر افسوس ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی تھی مرزا صاحب پر سخت صدمہ ہے۔ غرض مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کی کس قدر حیرت انگیز ہے اور یہ جرأت قابل غور ہے کہ مسلم شریف جیسی مشہور و معروف کتاب میں ایسے تصرفات کرتے ہیں اور جو جی چاہتا ہے خلاف واقع لکھ دیتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اہل علم اس کو کیا سمجھیں گے تو اس پر قیاس کرنا چاہئے کہ الہامات اور خواب جو لکھا کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا اور لکھتے ہیں کہ <u>آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اخبار و حکایات بیان کردہ کی تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رو سے ہو بلکہ محض مخبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے۔ انبیاء لوازم بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے، محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے حضرت نے اس کی تصدیق کی کیونکہ تمیم داری (رضی اللہ عنہ) اس</u>

قصہ کے بیان کرنے کے وقت مسلمان ہو چکے تھے اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کوعزت اوراعتبار کے نظر سے دیکھا جائے۔انتھیٰ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق فرمانا اعتبار کے قابل نہیں بلکہ وہ عقلی طور پر ہونے کی وجہ سے اس میں غلطی ہوگئی اور ثبوت غلطی کا اس طور سے ہوا کہ مرزا صاحب کی جانچ میں سوائے پادریوں کے اور کوئی دجال نہیں اس دعوے اور دلیل کی تصدیق سوائے مرزا صاحب پر ایمان لانے والوں کے دوسرا کوئی مسلمان نہیں کرسکتا بلکہ اہل ایمان کے پاس ایسا خیال کفر سے کم نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہ تصدیق وحی کے رو سے نہ تھی۔معلوم نہیں مرزا صاحب نے اس کا ایک طرفہ قطعی فیصلہ کس طرح کرڈالا۔ہم اہل اسلام کوتو حق تعالیٰ نے حکم قطعی کردیا ہے کہ جو کچھ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اس کو مان لیں کسی کو چوں و چرا کی مجال نہیں کہ حضرت نے یوں ہی عقل سے فرمادیا کوئی وحی بھی آئی تھی؟ اور وحی آئی تھی تو کس کے روبرو دو گواہ بھی اس وقت موجود تھے یا نہیں اور اگر موجود تھے تو انہوں نے جبرئیل کو وحی سناتے وقت دیکھا اور پہچانا بھی تھا یا قرائن سے کہہ دیا؟ اور قرائن قطعی تھے یا ظنی؟ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''**وما آتاکم الرسول فخذوہ** ''اور فرماتا ہے''**وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** ''یعنی کوئی بات حضرت اپنے خواہش سے نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں صرف وحی سے فرماتے ہیں۔حق تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کو نہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اعتبار ہے نہ خود حضرت کا اعتبار ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تصدیق جو حضرت نے کی تھی صرف تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اعتبار پر تھی۔تہذیبی پیرایہ میں انہوں نے اس مقدمہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کردیا کہ اپنی رائے سے جھوٹی خبر کی تصدیق حضرت نے کردی۔نعوذ باللہ من ذلک۔وہ لکھتے ہیں کہ تمیم مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے وہ اس لائق تھا کہ اس کا بیان عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ باوجود یہ کہ حضرت نے ان کو

قابل اعتبار سمجھا مگر انہوں نے جھوٹ کہنے میں کمی نہ کی پھر جھوٹ بھی کیسا کہ افضل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روبرو جس کو حضرت نے منبر پر چڑھ کر ایک مجمع کثیر صحابہ کے روبرو کمال بشاشت سے بیان فرمایا۔

اب اہل ایمان غور کریں کہ کیا کوئی مسلمان یہ خیال کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھوٹی خبر بیان کرنے کیلئے صحابہ کو فراہم کریں اور منبر پر چڑھ کر وہ خبر بیان فرمادیں۔ پھر اتنے بڑے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت کو اطلاع نہ ہو کہ وہ خبر دراصل جھوٹی تھی اور اس کی غلطی نکالنے کا موقع ایک پنجابی کے ہاتھ آئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ امور کی اطلاع بذریعہ وحی یا الہام حضرت کو ہوجایا کرتی تھی ایسا بڑا واقعہ جس سے مرزا صاحب اور ان کے اتباع کی نظر میں حضرت نعوذ باللہ بے اعتبار ہوجاتے ہیں اس کی اطلاع حضرت کو کس طرح نہیں ہوئی کیونکہ اگر اطلاع ہوتی تو حضرت ضرور فرمادیتے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جو خبر دی تھی جھوٹ ثابت ہوئی۔ اس مقام میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ زمانہ کا مقتضے ہے کہ ایسے خیالات کے لوگ بھی مقتدی بنائے جاتے ہیں۔ **اللھم انا نعوذبک من فتنة المحیا و الممات و من شر فتنة المسیح الدجال** ۔ اب اہل انصاف ملاحظہ فرمادیں کہ مرزا صاحب کا یہ قول کہ دجال معہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوگیا اور مر بھی گیا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے بلکہ خود مرزا صاحب ہی کا استدلال احادیث ابن صیاد سے ان کے دعوے کو مضر اور ہمارے لئے مفید ہے اس وجہ سے کہ احادیث ابن صیاد سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ صحابہ دجال کو ایک معین شخص سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نے کسی قوم کا نام دجال نہیں رکھا جیسا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ دجال گروہ پادریاں کا نام ہے بلکہ گویا حضرت نے یہ فرمادیا کہ وہ ایک شخص ہوگا جیسا کہ تم سمجھتے ہو اس لئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن صیاد کو دجال قرار دے کر اس کو قتل کرنا چاہا تو جس صورت میں

دجال جھوٹوں کے گروہ کا نام ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو ان کی غلط فہمی کی اصلاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے اور یہ ارشاد ہوتا کہ دجال ایک شخص نہیں جس کو تم مارنا چاہتے ہو وہ تو ایک جماعت ہوگی جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگی۔ کسی ادنیٰ شخص کے کلام کے معنیٰ اس کی مراد کے خلاف بیان کئے جائیں تو وہ اپنی مراد ظاہر کر کے اس غلط فہمی کی اصلاح کر دیتا ہے۔ شارع کو بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ اپنی مراد بیان کر کے غلط فہمی سے اپنی امت کو بچالیں۔ شاید مرزا صاحب تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کریں گے کہ بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص خواہ آدمی ہو یا جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سو برس زندہ نہ رہا وہ حدیث یہ ہے ''ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قام فقال أریتکم لیلتکم هذه فان رأس مأته سنة منها لا ینفی ممن هو علی ظهر الارض احدا '' رواہ البخاری پھر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جس دجال کی خبر دی ہے وہ آخری زمانہ میں کیونکر نکل سکتا ہے۔

اس کے جواب کے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے قریب جو یہ ارشاد فرمایا ہے اس کا منشا کیا ہوگا یہ تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی وصیت ہے جس پر عمل کرنا مطلوب ہو نہ کوئی ایسی چیز ہے جو آفات الٰہی یا امور اخروی سے متعلق ہو کیونکہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے صاف ظاہر ہے کہ دینی اعتقادات سے متعلق کل امور کو حضرت نے بیان کر کے دین کا تکملہ فرما دیا سو برس کے اندر تمام آدمیوں اور جانوروں کا مر جانا کوئی ایسی بات نہیں جس کو حضرت دینی امر تصور فرمائے ہوں۔ اور وہ علامات قیامت میں بھی نہیں ورنہ تصریح فرما دیتے جیسے دوسرے علامات میں موجود ہے۔ پھر ایک غیبی بات کی خبر دینا وہ بھی عشاء کے بعد جس وقت خاص خاص حضرات حاضر رہتے تھے اس میں کوئی خاص غرض ضرور تھی۔

قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** اورسورۂ **اذا جاء نصر الله** سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ اب اس عالم میں آپ کے تشریف فرمارہنے کی ضرورت نہ رہی اور اُدھر سے جذبات اور اِدھر سے عشق واشتیاق بڑھنے لگے تو آپ نے سفر آخرت کا ارادہ مصمم فرمالیا مگراس کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ شیفتگان جمال نبوی کا اس مفارقت سے کیا حال ہوگا کیونکہ ان کی وابستگی اور شیفتگی کو حضرت جانتے تھے کہ یہ صدمہ ان کی حالت کو خطرناک بنادے گا ان کی زبان حال باآواز بلند کہہ رہی تھی۔

از فراق تلخ میگوئی سخن   ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن

صحابہ تو صحابہ ہی تھے استن حنّانہ جو ایک چوب خشک تھا حضرت کی مفارقت سے روتے روتے بیخود ہو گیا تھا جس کا حال بخاری شریف میں موجود ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر)۔حضرت کی سواری مبارک کا گدھا جس کا نام یعفور تھا اس پراس مفارقت کا یہ صدمہ ہوا کہ بجر دوفات شریف کے کمال بے تابی سے کنویں میں گرکر جان دے دیا اور ناقہ سواری خاص کو اس غم نے ایسا مدہوش بنادیا کہ کھانا پینا چھوڑ کر اسی صدمہ سے مرگئی یہ روایتیں مواہب اللدنیہ وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔(الخصائص الکبریٰ، ذکر معجزاتہ فی ضروب الحیوانات)۔اب اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب اونٹ اور گدھے اور چوب خشک کا مفارقت جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حال ہو تو ان حضرات کا کیا حال ہوگا جو پروانہ وارشمع جمال پر جان دینے کو ہر وقت مستعد تھے انہیں ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ ایک بندہ کو خدائے تعالیٰ نے اختیار دیا کہ چاہے دنیا کی نعمت اور آسائش اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ کے پاس ہے، اس بندہ نے وہی اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے یہ سنتے ہی بعض صحابہ روتے روتے بے خود ہو گئے اور باآواز بلند کہنے لگے ہم اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کرتے ہیں حالانکہ صراحۃً اس میں کوئی بات نہیں مگر صرف خیال نے یہ اثر پیدا کردیا۔(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوکۃ والممر فی المسجد)

ہر چند صحابہ جانتے تھے کہ اس مفارقت کا زمانہ چالیس پچاس برس سے زیادہ نہ ہوگا کیونکہ جب ارشاد سراپا ارشاد سے معلوم ہو گیا تھا کہ اکثر لوگوں کی عمر ستر سال سے کم ہی رہے گی مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ بعضوں کی عمر اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ پھر خدا جانے وہ کون ہوگا اور اس زیادتی کی نوبت کہاں تک پہنچے گی اگر بالفرض مثل امم سابقہ سینکڑوں کی نوبت پہنچ جائے جیسے قرآن کریم سے ہزار سال کی عمر بعض حضرات کی ثابت ہے تو اس مفارقت میں بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اور معلوم نہیں یہ فراق کیا رنگ لائے، اس خیال کے دفع کرنے کیلئے حضرت نے اس خاص وقت میں فرمادیا کہ آج کی رات یاد رکھو کہ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کی عمر ہوگی تو اس وقت سے سو برس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ الغرض اس سے صحابہ کی تسکین مقصود تھی اور یہ بیان کرنا تھا کہ ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس پر قرینہ مبینہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنے انتقال کے قریب یہ خبر دی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مشرق ومغرب اور یورپ وایشیاء کے سب لوگ مرجائیں گے اور قیامت قائم ہوجائے گی۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ کی اس حدیث میں تخصیص نہیں بلکہ عام ارشاد ہے کہ جو کوئی اس رات میں روئے زمین پر موجود ہے ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا ایسے عام لفظ کو صحابہ کے ساتھ خاص کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ **مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ البعَض** یعنی کوئی عام ایسا نہیں جس کی تخصیص نہ ہوئی ہو اور اس کے کئی شواہد ونظائر قرآن شریف میں موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے قولہ تعالیٰ ''**اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه' وَ یَسْعَوْنَ فِیْ الاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الاَرْضِ**''۔ (سورہ مائدہ رکوع نمبر۵)

یعنی جو لوگ اللہ ورسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی جزاء یہی ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں

یازمین سے نکال دے جائیں۔ظاہر ہے کہ زندوں کوکُل روئے زمین سے نکال دینا ممکن نہیں اس لئے **الارض** کی تخصیص ضروری ہے اوراس سے وہی زمین مراد ہے جہاں وہ رہتے ہیں، اسی طرح **علی ظھر الارض** جواس حدیث شریف میں ہے۔اس سے بھی کُل روئے زمین مراد نہ ہوگی بلکہ وہی زمین مراد ہوگی جہاں صحابہ رہتے تھے اوراگر تعمیم کی جائے اس طور پر کہ اس رات کے موجودہ کل آدمی مرجائیں گے تواول تواس سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ نہ وہ قیامت کی خبر ہے نہ صحابہ کااس سے کوئی نفع وضرر۔

اورقطع نظراس کے یہ تعمیم کسی طرح بن بھی نہیں سکتی اس لئے کہ ظاہر الفاظ سے یہی مستفاد ہے کہ اس بات سے سو برس تک جتنے لوگ روئے زمین پر ہوں گے سب مرجائیں گے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس رات والوں کی تخصیص سمجھی جائے اگر یہی مقصود تھا تو **من علی ظھر الارض اللیلۃ** ارشادفرماتے اوراگر **اللیلۃ** کا لفظ ہم اپنی طرف سے بڑھائیں تو جب بھی تخصیص ہی ہوئی بہرحال کسی نہ کسی طرح سے اس حدیث میں تخصیص کرنے کی ضرورت ہے ورنہ عام رکھا جائے تواس حدیث کا مطلب یہ کہنا پڑے گا کہ سو برس کے بعد قیامت قائم ہوجائے گی کیونکہ کوئی باقی نہ رہے گا حالانکہ یہ باطل ہے فرق یہ ہے کہ ہم لفظ **احد** کو**منکم** کے ساتھ خاص کرتے ہیں اورمعترض **علی ظھر الارض** کو**اللیلۃ** کے ساتھ۔

اب ہمارے اورمعترض کی توجہات کے نتائج کو دیکھئے ہماری توجیہ میں ایک مہتم بالشان فائدہ ہے اورمعترض کی توجیہ میں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

ایک جماعت کثیرہ اولیاءاللہ کی مثل حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اپنے مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں کہ ہم نے خضر علیہ السلام کوبچشم خود دیکھا ہے اوران سے فیضیاب ہوئے معترض کی توجیہ پرسب کی تکذیب ہوجائے گی اورہماری توجیہ پران کی تصدیق ہوتی ہے۔

اورہماری توجیہ پر بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ بخاری اورمسلم کے حدیثوں میں تعارض نہیں رہتا جس سے حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بھی بحال خود صحیح رہتی ہے بخلاف معترض

کی توجیہ کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ٹھہرانے کی ضرورت ہوگی اگر کہا جائے کہ بخاری بہ نسبت مسلم کے زیادہ معتبر ہے اس لئے تعارض کے وقت بخاری کی حدیث کو ترجیح ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں ترجیح دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کی جس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلم کی حدیث موضوع ہے اس قسم کی ترجیح اس اجماع کو باطل کرتی ہے جو مسلم شریف کے صحیح ہونے پر ہوا ہے اور ہماری توجیہ پر دونوں حدیثیں صحیح رہتی ہیں۔ غرض ہم نے جو بخاری شریف کی حدیث کی تخصیص کی ہے وہ بہ نسبت اس تخصیص کے جو معترض نے کی ہے کئی طرح سے مفید ثابت ہے۔

الحاصل حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ابن صیاد دجال موعود نہ تھا اور مرزا صاحب ابن صیاد کو دجال قرار دے کر دجال شخصی کی بلا اپنے سر سے ٹالنا چاہتے ہیں، وہ ٹل نہیں سکتی۔ یعنی جب تک ایک معین شخص دجال نہ بتائیں جس کیلئے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ان کی عیسویت ثابت نہیں ہوسکتی۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں ایک مسیح ابن مریم کا اخری زمانہ میں اترنا دوسری ٹانگ دجال معہود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا سو یہ دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔

ناظرین تقریر بالا سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مرزا صاحب کی عیسویت کی تین ٹانگیں تھیں ایک ابن صیاد کا دجال موعود ہونا جو گذر چکا۔ دوسری ٹانگ پادریوں کا دجال ہونا۔ تیسری مسلمانوں میں صفات یہودیت آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہونا۔ سو یہ تینوں ٹانگیں بفضلہٖ تعالیٰ ٹوٹ گئیں۔ جب یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی کہ مسلمانوں میں یہود کے صفات آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہوگی بلکہ صدہا حدیثوں سے اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کے نکلنے کے بعد اس کے قتل کیلئے اتریں گے اور پادریوں کو جو مرزا صاحب نے دجال قرار دیا اس کا خلاف واقع ہونا اور ابن

صیاد کا دجال موعود نہ ہونا ثابت ہوگیا تو اب وہ عیسیٰ موعود تو نہیں ہوسکتے، ہاں جیسے عیسیٰ خان اور موسیٰ خان نام ہوتے ہیں تبرکاً اگر یہ نام اختیار کیا ہے تو ہمیں اس میں کلام نہیں مگر اس کے لئے یہ دعوے ضرورت سے زیادہ ہے کہ دم عیسوی سے وہ دجال یعنی پادریوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اگر یہ دعویٰ بھی صحیح ہوتا تو جب بھی مضائقہ نہ تھا مسلمان لوگ اس خوشی میں کہ ہمارا دشمن تو ہلاک ہوگیا، اغماض کر جاتے یہاں تو پادریوں اور ان کی دجالیت کی ترقی روز افزوں ہو رہی ہے جس کے خود مرزا صاحب شاکی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کرسٹان بنائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب جو دعویٰ عیسویت کرتے ہیں اس کی بنا احادیث پر ہے کیونکہ بقول مرزا صاحب قرآن سے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت نہیں پھر جن احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے ان میں یہ بھی مصرّح ہے کہ وہ اترتے ہی دجال کو مار ڈالیں گے اور ہمیں معلوم ہے کہ مرزا صاحب بیس سال سے پہلے قادیان میں اتر کر دعویٰ عیسویت کر رہے ہیں اور اب تک ان کا دجال مرا نہیں تو ان کا دعویٰ انہیں کی دلیل سے باطل ہوگیا کیونکہ عیسیٰ کا دجال کو مار ڈالنا لازم ہے اور یہ لزوم انہیں احادیث سے ثابت ہے۔ جن پر مرزا صاحب کا استدلال ہے اس صورت میں بحسب قاعدہ عقلیہ مسلمہ انتفائے لازم سے انتفاء ملزوم ضروری ہے، یعنی پادریوں کے معدوم نہ ہونے سے مرزا صاحب کا عیسیٰ نہ ہونا انہیں دلائل سے ثابت ہوا جن پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں۔

یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب تو دجال یعنی پادریوں کو مار ہی ڈال رہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ وہ مرتا نہیں۔ واقعی اس مجبوری کا علاج نہیں بجز اس کے کہ اس دشمن قوی کے ہلاک ہونے کی دعا کی جائے۔ چنانچہ ہم بھی دعا گو ہیں اور بصدق دل چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اس دجال پر فتح نصیب ہو اگرچہ قرائن مبینہ اور وجدان گواہی دیتے ہیں کہ اس دعا کا اثر مرزا صاحب کی زندگی میں ظاہر ہونا ممکن نہیں۔ خیر یہ دعا تو ہوتی رہے گی ہم بھی

کرتے ہیں مرزا صاحب بھی کرتے ہوں گے مگر کلام عیسویت میں ہے کہ پھونکتے پھونکتے عیسیٰ کا ناک میں دم آئے اور دم عیسوی ہو اور برباد ہو جائے اور دشمن کو اس کے کچھ جنبش نہ ہو بلکہ اور اشتعال زیادہ ہو ایسے عیسیٰ سے تو بیمار ہی بھلا جس کی حالت کو دیکھ کر دلوں پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کو اس کا اضطراب چارہ جوئی پر مجبور کرتا ہے۔ کاش مرزا صاحب وہ درد جو ازالۃ الاوہام کے آخر میں ظاہر کرتے ہیں کہ

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

قوم کے روبرو پیش کر کے اپنی سچی حالت کا ثبوت دیتے تو طبیبان قوم ایسے قسیّ القلب نہ تھے کہ اس طرف کچھ توجہ نہ کرتے مگر افسوس ہے کہ طبیعتِ مرزائی نے ذلت کو گوارا نہ کر کے ایسے راست بازی کے طریقہ سے روکا جو مستحکم اور قوی الاثر تھا۔

ازالۃ الاوہام میں مرزا صاحب مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں دجال کی سرعت سیر اور پانی برسانا اور کھیتی اگانا اور احیائے موتی وغیرہ امور کا ذکر ہے، نقل کر کے بیان کرتے ہیں کہ (اگر ظاہری معنوں پر اس کو حمل کریں تو اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی وہ کُن سے سب کچھ کرے گا۔ سوچنا چاہیئے کہ یہ سب کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے انہوں نے (یعنی علمانے) ایک طوفان شرک کا برپا کر دیا ہے)۔ انتہیٰ ملخصًا۔

معلوم نہیں مرزا صاحب اس اعتقاد کو کس لحاظ سے شرک ٹھہراتے ہیں، اکابر علمانے جنہوں نے اس حدیث کو صحیح مان لیا ہے جس کی بنا پر تمام اہل اسلام کا اعتقاد اس پر جما ہوا ہے ان تک تو شرک کی ہوا بھی نہیں آسکتی کیونکہ انہوں نے قرآن شریف اول سے آخر تک پڑھا ہے اور ہر آیت ان کے پیش نظر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے کما قال تعالیٰ ''وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر (مائدہ۔120)'' وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے اس کے سواء کسی میں یہ قدرت نہیں۔ قال تعالیٰ ''وَھُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ (مؤمن۔80)''

وہی رزق دینے والا ہے ''هُوَ الرَّزَّاقُ (ذاریات۔58)'' وقولہ تعالیٰ ''نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ إِيَّاهُمْ'' پانی برسانا اسی کا کام ہے ''وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً ا'' (انعام۔۱۰۰) کھیتی کا اُگانا اسی کا کام ہے ''وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيٰ بِهِ الْأَرْضَ (نحل۔ 65)'' گمراہ کرنے کے واسطے وہی شیاطین کو بھیجتا ہے ''أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم۔83)'' گمراہ کرنے والوں کو ہر جگہ وہی مقرر فرماتا ہے ''وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا (انعام۔ 23)'' بعضوں کو خاص فتنوں کیلئے قرار دیتا ہے ''وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (فرقان۔20)'' جیسا کہ وہ آدمیوں کو پیدا کرتا ہے ان کے کاموں کو بھی پیدا کرتا ہے ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صفات۔96)'' ہدایت اور گمراہی کے اسباب کو وہی پیدا کرتا ہے ''يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ۔26)'' کاموں کی نسبت جو بندوں کی طرف ہے مجازی ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے افعال ہیں ''فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَارَمَيْتَ إِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال۔17)'' اگرچہ ہدایت انبیاء کے طرف منسوب ہے۔ کما قال تعالیٰ ''وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (اعراف۔181)'' لیکن درحقیقت وہ اللہ ہی کا کام ہے ''إِنَّكَ لَاتَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ (قصص۔50)'' اور بُرے کاموں کی رغبت اگرچہ شیطان دلاتا ہے کما قال تعالیٰ ''زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ (انفال۔17)'' مگر درحقیقت وہ بھی اللہ ہی کا کام ہے ''وَزَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ (نمل۔4)'' جب تک خدائے تعالیٰ کی مشیت کسی کام سے متعلق نہیں ہوتی کسی کا خیال اس طرف متوجہ نہیں ہوسکتا ''وَمَاتَشَاءُوْنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (تکویر۔29)'' فتح و شکست اسی کے ہاتھ ہے جس کو چاہتا ہے زمین کا مالک بنادیتا ہے ''إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اعراف۔128)'' وقولہ تعالیٰ ''وَمَكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ

(انعام۔6)' ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو دونوں کو وہی مدد دیتا ہے ''کُلًّا نُّمِدُّ ھٰؤُلَاءِ وَھٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ (اسراء۔20)'' اس کی مصلحت میں کسی کو دخل نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا ''لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ '' (انبیاء۔23) انبیاء کو ہدایت کرنے کیلئے بھیجتا ہے اور شیطان اور آدمیوں کو ان کا دشمن بنا دیتا ہے جن سے ان کو سخت مصیبتیں پہنچتی ہیں ''وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ إِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْشَاءَ رَبُّکَ مَافَعَلُوْہُ (انعام۔112)'' مگر ان کے دلوں کو ثابت رکھتا ہے ''وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ إِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلاً '' جن کی گمراہی مقصود ہے ان کو انبیاء وغیرہم کتنا ہی سمجھائیں اور کیسی ہی دلائل بتلائیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں ''وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ أَکِنَّۃً أَنْ یَفْقَھُوْہُ وَفِیْ أٰذَانِھِمْ وَقْرًا. (انعام۔25) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ. (بقرہ۔7) وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَایَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ أَعْیُنٌ لَایُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ أٰذَانٌ لَایَسْمَعُوْنَ بِھَا (اعراف۔179)''

وہ مالک ومختار ہے اپنے مخلوق میں جو چاہے کرے کسی کو مجال نہیں کہ اس سے پوچھ سکے ''لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (انبیاء۔23)''

غرض نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں خواہ خیر ہوں یا شر معمولی ہوں یا غیر معمولی یعنی خوارق عادات سب کو حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ شیطان ہو یا دجال اپنی خود مختاری سے کچھ نہیں کرسکتا جب تک خدائے تعالیٰ نہ چاہے۔ ازل ہی میں سب کام معین اور تقسیم ہو چکے ہیں کہ فلاں کام فلاں شخص فلاں وقت میں کرے گا۔ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ (رعد۔39)۔ وَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَاھُوَ کَائِنٌ (معجم کبیر۔احادیث عبداللہ بن العباس، مسند امام احمد، مسند عبداللہ بن عمرو)۔ ازل میں

حق تعالیٰ ہی نے مقرر فرما چکا ہے کہ دجال اس قسم کے فتنہ برپا کرے جس کی خبر جمیع انبیاء نے پہلے سے دی ہے۔

چونکہ مشیت الٰہی مقتضی ہے کہ اس کی وجہ سے سوائے چند اہل ایمان کے کل گمراہ ہو جائیں اور قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہو کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے اولاً دجال کو ان تمام فتنہ پردازیوں اور دعویٰ الوہیت کا الہام ہوگا۔ آپ حضرات شائد لفظ الہام پر برافروختہ ہوئے ہوں گے کہ دعوے الوہیت کو الہام سے کیا نسبت تو اس کا جواب اجمالاً سن لیجئے کہ جھوٹے خواہ دعویٰ نبوت کا کریں یا الوہیت کا جب تک الہام نہیں ہوتا نہیں کر سکتے۔ ہر اچھے اور برے کام کیلئے الہام ہوا کرتا ہے۔ ''وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوَاهَا (الشّمس۔7)'' غرض جب وہ بحسب الہام ضلالت دعویٰ الوہیت کریگا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو مدد ملے گی۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور چند لوازم الوہیت مثلاً پانی کا برسانا' زمین شور سے زراعت کا اگانا 'مردوں کو زندہ کرنا' اس سے ظہور میں آئیں گے اور جس طرح عادت اللہ جاری ہے کہ کلمۂ کُنْ سے ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اسی طرح یہ سب چیزیں خاص اللہ تعالیٰ ہی کے امر کن سے وجود میں آئیں گی۔ دجال کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں مگر چونکہ دجال کے دعوے کے بعد ان کا ظہور ہوگا اس لئے ظاہرین بے ایمان یہی سمجھیں گے کہ وہ سب اسی حکم سے ہوئے جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور کن سے وہ سب کچھ کرے گا اور جس طرح بنی اسرائیل نے گوسالہ میں غیر معمولی بات دیکھ کر اس کو معبود بنا لیا تھا اسی طرح ان خوارق عادات کی وجہ سے دجال کو معبود خالق رازق محیی ممیت سمجھ لیں گے کیونکہ قرآن کریم پر تو ان کا اعتقاد ہی نہ ہوگا اور جن کا اعتقاد قرآن کریم پر ہوگا وہ صاف کہہ دیں گے کہ تو دجال جھوٹا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ دجال کو چناں وچنیں سمجھنا شرک ہے۔ فی الواقع صحیح ہے جو لوگ اس کو رزاق محیی وغیرہ سمجھیں

گے وہ بے شک مشرک ہوں گے مگر احادیث صحیحہ پر وہ جو الزام لگاتے ہیں کہ ان میں شرک بھرا ہوا ہے اس الزام سے وہ احادیث مبرا ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً توحید افعالی کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ فرمادیا اور جن آیات میں اس کا ذکر ہے باعلان شائع کر کے سب کو ان کا عامل بنادیا جس سے ہر اہل ایمان سمجھ سکتا ہے دجال نہ رازق ہوسکتا ہے نہ محیی نہ ممیت۔ اب اگر کوئی شخص قرآن نہ پڑھا ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور تعلیم نبوی سے ناواقف ہو تو وہ بیشک اس حدیث شریف کو اعتراض کی نظر سے دیکھے گا مگر ایسا بے علم یا منکر شخص قابل التفات نہیں کلام ان علماء کے اعتقاد میں ہے جن کے پیش نظر یہ سب آیات اور تعلیم نبوی تھی کیا یہ حضرات اور پورے قرآن پر کامل ایمان رکھنے والے بھی اس شرک کے قائل ہوں گے جس میں مرزا صاحب گرفتار ہیں ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب کو مجددیت بلکہ مہدویت بلکہ عیسویت کا دعویٰ ہے اور یہ کل امور ایسے ہیں جن کا مدار ایمان پر ہے ان کی اس تقریر سے تو یہ مقولہ پیش نظر ہو جاتا ہے کہ پیر ما ہمہ دارد ایمان ندارد کیونکہ اگر ان کو ان آیات پر ایمان ہوتا تو وہ دجال کی الوہیت لازم آنے کے قائل نہ ہوتے اور جب وہ اس کے قائل ہیں تو لازم آتا ہے کہ سامری کی قدرت خدائی پر ان کو ایمان ہوگا اور مان لیا ہوگا کہ مثل حق تعالیٰ کے کُن کہہ کر گوسالہ کو اسی نے بنی اسرائیل کا معبود بنادیا جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے ''وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ'' اور ''فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ'' (طٰہٰ۔88) کیونکہ سونے اور چاندی سے ایسا بچھڑا بنانا جو زندہ اور آواز کرتا ہو کوئی معمولی بات نہیں ورنہ ایک خلق کثیر اس کی الوہیت کی کیونکر قائل ہوتی اگر وہ معمولی نہ تھا جس کی الوہیت کے وہ قائل ہو گئے تھے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع وضرر کا مالک تھا۔ کما قال تعالیٰ ''أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا'' (طٰہٰ۔89) اب اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ جن حدیثوں

میں دجال کے خوارق عادات مذکور ہیں ان احادیث پر ایمان لانے کی وجہ سے صحابہ اور محدثین اور کل امت مرحومہ پر الزام شرک عائد ہوسکتا ہے یا اس اعتقاد کی وجہ سے مرزا صاحب پر ؂

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ　　　رند از رہ نیاز بدارالسلام رفت

حق تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھ عطا فرمائے کہ حق و باطل میں تمیز کرسکیں۔ مرزا صاحب ایک استدلال یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے انتہیٰ ملخصًا۔ اور لکھتے ہیں جو کچھ دمشقی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار اس حدیث میں درج ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ میرا مکاشفہ ہے یا ایک خواب ہے اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب ہے جیسا کہ اس میں یہ اشارہ بھی ''کانّی'' کا لفظ بیان کرکے کیا گیا ہے۔

دمشق والی حدیث جس کا حوالہ مرزا صاحب دیتے ہیں اس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرکے فرمایا کہ اگر وہ میرے زمانہ میں نکلے گا تو میں خود اس کا مقابلہ کرلوں گا اور اگر میں نہ رہوں تو ہر شخص اپنے طور پر حجت قائم کرلے (اس کی علامتیں یہ ہیں) وہ جوان ہوگا اس کے بال مُڑے ہوئے ہوں گے اور ایک آنکھ اس کی پھولی ہوئی ہوگی، وہ عبدالعزّٰی بن قطن کے مشابہ ہوگا انتہیٰ ملخصًا۔

مرزا صاحب اس حدیث کے ساتھ طواف والی حدیث کو جوڑ لگاتے ہیں اس غرض سے کہ جیسے طواف کی تعبیر ضروری ہے ویسے ہی دجال کی تاویل ضروری ہے، اسی وجہ سے دجال سے گروہ پادریاں مراد ہے اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مکاشفات بھی مثل خواب قابل تعبیر ہیں اور لفظ ''کانّی'' سے اسی طرف اشارہ ہے۔ مرزا صاحب یہاں ایک نیا قاعدہ

ایجاد کررہے ہیں کہ ''کانّی'' سے خواب کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے حالانکہ یہ نص قطعی کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ''فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ'' (نمل۔42) ظاہر ہے کہ بلقیس کا یہ قول خواب میں نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ کانّ تشبیہ کیلئے ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ دجال کو ایسے طور پر معین و مشخص فرمادیں کہ امت کو اس کے پہچاننے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے تا کہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں اس لئے اولاً اس کے تمام حالات وخوارق عادات بیان کردیئے پھر اس کا حلیہ بیان فرمادیا اس پر بھی اکتفا نہ کر کے ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کو مشخص فرمادیا جس کو لوگ پہچانتے تھے تا کہ لوگ معلوم رکھیں کہ وہ کیسے ہی دعوے کرے مگر دراصل وہ ایک آدمی ہوگا، مشابہ عبدالعزّٰی کے۔ چنانچہ ایک موقع میں صراحۃً فرمادیا کہ میں اس کی وہ علامتیں تمہیں بتلاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

اہل انصاف خود غور فرمالیں کہ اس تشبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کی تعیین و تشخیص مقصود تھی یا الہام جب لفظ ''کانّ'' سے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ قابل تعبیر ہے تو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق تعبیر اور تاویل کریگا کیونکہ حضرت نے تو اس کی تعبیر کچھ بیان ہی نہیں فرمائی اس صورت میں حضرت کا وہ تمام اہتمام جو اس کی تعین کے باب میں فرمایا سب بیکار ہو جائے گا۔ عقلاً و عادۃً یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی غائب کو معین کر کے بتلا دینا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اس کے احوالِ مختصہ بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے اور چونکہ حلیہ میں بھی مفاہیمِ کلیہ ہوتے ہیں جس سے تعیینِ شخصی نہیں ہوتی اس لئے اس کے مشابہ کوئی ہو تو اس کو دکھلا کر کہا جاتا ہے کہ وہ غائب اس کے مشابہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دجال کی تعیین و تشخیص کے بارے میں یہ تینوں مدارج طئے فرمادیئے۔ کنز العمال دیکھ لیجئے کہ ان تینوں قسم سے متعلق احادیث بکثرت موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب کو ضد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنا ہی اس کو مشخص فرمادیں

وہ مشخص ہونے نہیں دیتے بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ابہام بڑھایا جائے۔

گورنمنٹ کے مخالفت کے خیال کو جو عیسیٰ بننے میں پیدا ہوتا تھا کس اہتمام سے مرزا صاحب نے دفع کیا، چنانچہ کشف الغطا میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے عربی فارسی اردو کتابیں لکھ کر عرب، شام، کابل، بخارا وغیرہ کے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی اور معقول وجہوں سے ان کو اس طرف جھکا دیا کہ گورنمنٹ کی اطاعت بدل و جان اختیار کریں۔ دیکھئے ان تمامی اسلامی بلاد کے مسلمانوں کو مرزا صاحب نے جو بار بار تاکید کی کہ ان اسلامی شہروں کو سلطنت اسلامی سے خارج کر کے نصاریٰ کے قبضہ میں دے دیں اور وہ اس طرف مائل بھی ہو گئے۔ اس میں کس قدر مرزا صاحب کا روپیہ صرف ہوا ہوگا مگر اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور یہ سب کچھ رفعِ الزام مخالفت گورنمنٹ میں گوارا کیا مگر افسوس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضد اور مخالفت علانیہ کر رہے ہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے مخالفتوں پر دین کا مدار سمجھا جا رہا ہے۔ (ذکرہ صاحب عصائے موسیٰ)

مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ کو اپنے مکاشفہ پر قیاس کر کے اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس مکاشفہ سے کشف وظہور نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کے تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یعنی مکاشفہ میں جو چیز دیکھی جاتی ہے در حقیقت وہ چیز نہیں ہوتی، جیسے خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس سے مراد مثلاً علم ہے دودھ نہیں۔ اسی وجہ سے خواب دیکھنے والا پریشان ہو کر تعبیر پوچھتے پھرتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اس کی تعبیر بیان بھی کر دے تو وہ بھی قابل یقین نہیں ہو سکتی کیونکہ جب تعبیر باعتبار صفات ولوازم و مناسبات لیجاتی ہے اور ہر چیز کے لوازم و مناسبات بکثرت ہو سکتے ہیں تو کیونکر یقین ہو کہ جن مناسبتوں کا لحاظ تعبیر میں لکھا گیا وہی واقع میں بھی ہیں۔

اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے مکاشفہ اور خواب کا ایک ہی حال فرض کریں جب بھی ہم کہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اوروں کے الہام سے افضل تھا اس لئے کہ اس کا

مقصود حضرت پر ظاہر ہو جاتا تھا اس کو تعبیر کے پیرایہ میں بیان فرمادیتے تھے، چنانچہ احادیث سے ظاہر ہے کہ خود حضرت کوئی خواب دیکھتے یا صحابہ اپنے خواب عرض کرتے حضرت اس کی تعبیر دے کر اس کے ابہام کو اٹھا دیتے تھے۔ اگر اس مکاشفہ میں عبدالعزیٰ صورت مثالی دجال کی تھی جس کی تعبیر کی حاجت ہے تو مثل اور خوابوں کے اس کی بھی تعبیر خود بیان فرمادیتے ورنہ صورت مثالی کو بیان کر کے مصداق اور تعبیر بیان نہ کرنا شان نبوت سے بعید ہے کیونکہ ایسی مبہم چیز کے بیان سے سوائے سامعین کی پریشانی خاطر کے کوئی نتیجہ نہیں اور پیشن گوئی کے مکاشفہ کو صحابہ قابلِ تعبیر سمجھتے تو جیسے اور خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے اس کی بھی تعبیر پوچھ لیتے کہ عبدالعزیٰ کے مشابہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ پھر دجال کا واقعہ کوئی معمولی نہ تھا کہ چنداں قابل التفات نہ ہو اس کی خوفناک حالتیں حضرت ہمیشہ بیان فرماتے۔ امم سابقہ کا اس سے ڈرنا اور انبیاء کا ڈرانا صحابہ کو معلوم تھا ہمیشہ نماز میں دعا کرتے (و اعوذبک من فتنة المسیح الدجال) ایسی حالت میں اگر مکاشفۂ دجال کو قابل تعبیر سمجھتے تو صحابہ کی شان نہ تھی کہ ایسے اہم معاملہ کو مبہم چھوڑ دیتے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیا تھا تو کسی کو تو افسوس ہوتا کہ کاش کہ حضرت سے اس کی تعبیر پوچھ لی ہوتی حالانکہ کوئی روایت اس قسم کے افسوس کی نہ مرزا صاحب نے بتلائی نہ بتلا سکتے ہیں۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میرے پیچھے گویا کالی بکریوں کا ایک مندہ چلا آرہا ہے۔ پھر سفید بکریوں کا اتنا بڑا مندہ آگیا کہ اس میں کالی بکریاں چھپ گئیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی شاید کالی بکریوں سے عرب اور سفید بکریوں سے عجم مراد ہوں گے۔ فرمایا ہاں صبح کے قریب ایک فرشتے نے بھی یہی تعبیر دی۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما اخبر بہ من الکوائن بعدہ)۔ دیکھئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعبیر بیان فرمانے سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تعبیر دے دی اس سے ظاہر ہے کہ مبہم اور تعبیر طلب امور کی تعبیر معلوم کرنے میں صحابہ بے چین ہو جاتے تھے۔

جب ادنیٰ ادنیٰ شبہات کو صحابہ پوچھ کر اعتقاد کو مستحکم کرلیا کرتے تھے تو ایسے پُرخطر اور خوفناک واقعہ کو صحابہ ضرور پوچھتے کہ حضرات انبیائے سابقین نے دجال کو ہوّا بنا رکھا تھا (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں) یا واقع میں وہ کوئی چیز بھی ہے اور اگر ہے تو کسی قوم کا نام ہے یا کوئی معین شخص ہوگا جس کا یہ حلیہ بیان ہو رہا ہے اور تشبیہ دی جارہی ہے۔

آپ حضرات خود سمجھ سکتے ہیں کہ بعد اس کے کہ دجال کا حلیہ بیان فرمایا گیا اور ایک شخص کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر معین فرمادیا اس پر بھی اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت اس کو آپ نے ہوّا بنا رکھا ہے یا وہ کوئی قوم ہے تو یہ سوال کیسا سمجھا جاتا اور اس کا جواب کیا ہوتا کاش مرزا صاحب کا ہم خیال اس وقت کوئی ہوتا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتا تو اس سوال و جواب کا لطف سخن شناسوں کو قیامت تک آتا رہتا۔

کشف کے معنی مرزا صاحب یہ لیتے ہیں کہ اس میں صورت مثالی ظاہر ہوتی ہے اگر یہی معنی کشف کے ہیں تو چاہئے کہ اگر کسی چیز کا خیال کرلیا جائے تو اس کو بھی کشف کہیں اس لئے کہ اس میں بھی آخر صورت خیالی کا کشف ہوتا ہے اور دونوں میں اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر بعد تعبیر کے انطباق صورت مثالیہ کا صور تخارجیہ پر ممکن ہے تو بعد تحقیق کے صورت خیالیہ کا انطباق بھی صورت خارجیہ پر ممکن ہے پھر ایسا کشف جس کو خیال پر بھی فضیلت نہ ہوسکے اس کو کشف کہنا ہی اندھیر ہے۔

تمام اہل کشف کا اتفاق ہے جس سے اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے ہوئے ہیں کہ جس چیز کا کشف ہوتا ہے اس کو وہ کَرَأْیِ الْعَیْنِ دیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ وہ خبر دیتے ہیں برابر اس کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر مرزا صاحب اس کو کیوں ماننے لگے تھے اگر ان کے روبرو حضرت بایزید بسطامی یا حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی پیش کیے جائیں تو وہ نہ مانیں گے اور اگر اپنے مطلب کی بات ہو تو نواب صدیق حسن خان صاحب کا قول پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ سلف صالح میں سے بہت سے صاحب

مکاشفات مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتلا گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اور مولوی صدیق حسن صاحب نے ایسا ہی لکھا ہے مرزا صاحب یا تو بہت سے اہل مکاشفات وسلف صالح سے سوائے ان دوشخصوں کے کسی کا نام قابل ذکر نہیں سمجھا یا اس قول موافق کی وجہ سے ان کی قدر افزائی کر کے سلف صالح اور اہل مکاشفات میں ان کا حساب کرلیا۔ بہرحال ان کے صرف اس خیال اور تخمینی قول کی وجہ سے جو من وجہ مفید مدعا ہے، اگر سلف صالح ہیں تو وہ ہیں اور ولی کامل اور صاحب مکاشفہ ہیں تو وہ ہیں اور جس کا قول ان کے مخالف ہو خواہ وہ محدث ہو یا صحابی صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے بلکہ تمام اکابر دین پر شرک کا بھی الزام لگا ہی دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور طرفہ یہ ہے کہ اگر قابل تاویل وتعبیر ہوتو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف ہوا اور ایسے لوگوں کے کشف وپیشن گوئی میں نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ تعبیر کی۔ چنانچہ ان کے کشف کے مطابق چودھویں صدی کے شروع میں عیسیٰ آ بھی گیا افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو صدیق حسن خان صاحب کی پیشن گوئی کی جتنی وقعت ہے، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بھی وقعت نہیں اس پر یہ دعویٰ مہدویت وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اپنے کشفوں کی نسبت ہمیشہ زور دیا جاتا ہے کہ وہ صحیح نکلے گو ہر طرف سے اس کا انکار ہو رہا ہو۔ مسلم شریف کی حدیث چونکہ ان کے مدعا کے مخالف ہے لکھتے ہیں کہ دمشق کی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دجال کی علامتیں جو حدیث مسلم میں وارد ہیں، حضرت نے نہیں بیان فرمایا بلکہ مسلم نے بیان کیا، یعنی بنالیا ہے حالانکہ وہ حدیث خاص آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور دجال کو خواب میں دیکھنے کی حدیث کو چونکہ مفید مدعا سمجھتے ہیں کمال عقیدت اور اہتمام سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف وصریح طور پر بیان فرمادیا کہ یہ خبر میرا مکاشفہ یا ایک خواب ہے حالانکہ اس حدیث میں نہ مکاشفہ کا لفظ ہے نہ خواب کا نام۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ کشف سے واقعہ منکشف ہوجاتا ہے یا وہ قابل تعبیر اور مبہم رہتا ہے۔قرآن کریم سے تو ثابت ہے کہ اصل واقعہ مشہور ہوجاتا ہے، دیکھ لیجئے خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کوصرف اس کشف کی بناء پر مارڈالا کہ اگر وہ جوان ہوگا تو اپنے ماں باپ کوکافر بنادیگا۔اب غور کیجئے کہ کس درجہ کا ان کو اپنے کشف پر وثوق تھا کہ معصوم لڑکے کو بغیر کسی گناہ کے نبی وقت کے روبرو مارنے کی کچھ پروانہ کی اگر ذرا بھی ان کو اشتباہ ہوتا تو یہ قتل ہرگز جائز نہ ہوتا اور حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر جو اپنے کلام پاک میں دی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو یقینی کشف وعیاں عطا فرماتا ہے۔اس موقع میں اہل ایمان و اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ باوجود یہ کہ خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ان کا کشف جب یقینی ہوتو افضل انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کشف یقین کے کس درجہ میں ہونا چاہئے۔''ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے پیش نظر کردیا ہے میں اس کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو علانیہ دیکھتا ہوں''۔غرض ان وجوہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی خبر جو کشف سے دی ہے اس میں نہ حضرت کو کسی قسم کا اشتباہ تھا نہ کوئی اہل ایمان شبہ کرسکتا ہے اور وہ کشف مثل خوابوں کے قابل تعبیر بھی نہیں بلکہ جس طرح دجال کا حلیہ بیان فرمایا اور عبدالعزیٰ کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ویسا ہی وہ ہوگا۔اب ہم چند کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت نے بیان فرمایا بلاکم وکاست وبغیر احتیاجِ تعبیر وتاویل اس کا ظہور ہوا۔یوں تو حضرت کے مکاشفات بے حد و بے شمار ہیں مگر یہ چند بمنزلہ مشتے نمونہ از خروار یہاں لکھے جاتے ہیں جن روایات ذیل میں کسی کتاب کا نام نہیں لکھا گیا، الخصائص الکبریٰ سے لکھی گئی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے ہر روایت کا حاصل مضمون لکھا گیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، دو شخص کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ایک ثقفی دوسرا انصاری اولاً آپ نے ثقفی سے فرمایا کہ جو تم پوچھنا چاہتے ہو پوچھو اور اگر منظور ہو تو تمہارا سوال بھی میں ہی بیان کردوں۔عرض کیا یہ اور زیادہ نادر ہوگا۔فرمایا کہ تم رات کی نماز اور رکوع وسجود وغسلِ جنابت کا حال پوچھنا چاہتے ہو۔انہوں نے قسم کھا کر حضرت کی تصدیق کی۔ پھر انصاری سے خطاب کر کے فرمایا کیا تمہارا ابھی سوال میں ہی بیان کروں،عرض کیا ارشاد ہو۔فرمایا تمہارا قصد بیت اللہ جانے کا ہے، مسائلِ وقوفِ عرفات وحلقِ رأس وطواف ورمیِ جمار پوچھنا چاہتے ہو۔انہوں نے بھی قسم کھا کر تصدیق کی۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فی رؤیۃ اصحابہ الجن)

جس روز نجاشی پادشاہِ حبش کا انتقال ہوا۔حضرت نے ان کے وفات کی خبر دی اور عیدگاہ تشریف لے گئے جہاں جنازوں پر نماز پڑھی جاتی تھی اور ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ (صحیح البخاری، باب الرجل ینعی الی اھل البیت) ۔فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ نماز جنازہ غائب پر نہ تھی بلکہ جنازہ حضرت کے پیش نظر تھا۔ام سلمہ کہتی ہیں کہ انہیں دنوں مشک وغیرہ ہدیہ میں نے نجاشی کو بھیجا تھا مجھے اسی روز یقین ہوگیا کہ وہ ہدیہ واپس آجائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے ایک لشکر مُوتَہ (نام مقام) پر روانہ فرمایا تھا جس روز کفار کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا آپ خبر دے رہے تھے کہ رایت یعنی نشان کو زید رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید ہوگئے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوگئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے یہ فرما رہے تھے اور چشم مبارک سے اشک جاری تھے۔فرمایا پھر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بغیر امارت کے لیا اللہ تعالیٰ نے فتح دی رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام)

جب مسجد قبا کی آپ نے بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ عمارت آپ بنا فرماتے ہیں اور یہی تین صاحب آپ کے ساتھ ہیں فرمایا کہ یہ تینوں شخص میرے بعد میرے خلفاء اور ملک کے والی ہوں گے۔فرمایا خلافت نبوت میری اُمّت میں تیس سال رہے گی اُس کے بعد پادشاہی ہو جائے گی۔(سنن الترمذی، باب ماجاء فی الخلافۃ۔ دلائل النبوۃ للامام البیھقی، جماع ابواب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ خلافت راشدہ کی مُدّت اسی قدر ہے۔اور فرمایا کہ میں نے بنی اُمیّہ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر ایسے کو دے رہے ہیں جیسے بندر۔ (تاریخ الخلفاء، باب الاحادیث المبشرہ بخلافۃ بنی العباس) اور فرمایا کہ نبی امیہ کے سرکشوں سے ایک سرکش کا خون رعاف میرے اس منبر پر بہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عمر بن سعید بن العاص کا خون رعاف منبر پر بہا۔ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر کیں ان کا نام آپ نے عبداللہ کہہ کر فرمایا کہ خلیفوں کے باپ کو لے جاؤ حضرت عباس کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو حضرت سے استفسار کیا فرمایا ہاں یہ خلفاء کے باپ ہیں ان کی اولاد میں سفاح مہدی وغیرہ ہوں گے۔ (تاریخ الخلفاء)

اور فرمایا بنی امیہ کے ہر روز کے معاوضہ میں بنی عباس دو روز اور ہر مہینے کے معاوضہ میں دو مہینے حکومت کریں گے۔یعنی خلفائے عباسیہ کی حکومت کی مدت بنی امیہ کی مدت حکومت سے دو چند ہوگی۔امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ خاص بنی امیہ کی حکومت تراسی 83 سال رہی اور بنی عباس کی حکومت ایک سو ساٹھ برس سے چند سال زیادہ رہی۔

فرمایا جب تک تم میں عمر رضی اللہ عنہ ہیں دروازہ فتنوں کا بند ہے اور ان کی شہادت کے بعد ہمیشہ آپس میں کشت وخون ہوا کریں گے۔اہل علم پر یہ امر اظہر من الشّمس ہے۔

فرمایا قیصر و کسریٰ جواب موجود ہیں ان کے بعد پھر قیصر و کسریٰ کوئی نہ ہوگا۔ایسا ہی

ہوا۔فرمایا فارس اور روم کو اہل اسلام فتح کریں گے، فارس کے ایک دو حملے ہوں گے اور اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔مگر روم کے حملے مدتوں ہوتے رہیں گے۔ کتب تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔(صحیح البخاری، باب الحرب خدعۃ)

فرمایا کسریٰ کے وہ خزانے جو سفید محل میں رکھے ہوئے ہیں، مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے اور کُل خزانے کسریٰ و قیصر کے راہ خدا میں صرف کئے جائیں گے۔تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُراقہ بن مالک کے ہاتھ دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے دست بند اور کمر میں اس کا کمر بند اور سر پر اس کا تاج ہے جس روز تم یہ زیور پہنو گے تمہاری کیا حالت ہوگی۔ فتح فارس کے بعد دست بند وغیرہ کسریٰ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو آئے تو آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور وہ سب پہنا کر خدا کا شکر بجالایا کہ زیور کسریٰ جیسے بادشاہ سے چھین کر سراقہ کو جو ایک بدوی یعنی جنگلی شخص ہے پہنایا۔(الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما اخبر بہ)

غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیرہ بیضا کو (جو ایک شہر ہے) میں دیکھ رہا ہوں اور یہ شہبا بنت نفیلہ ازویہ کالی اوڑھنی لپیٹے ہوئے خچر پر سوار ہے۔خریم بن اوس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ عورت مجھے عطا فرما دیجئے جس وقت ہم حیرہ کو فتح کریں اور اس کو پائیں تو میں اس کو لے لوں اور فرمایا اچھا ہم نے تمہیں کو دے دیا۔ خریم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ہم حیرہ پر گئے پہلے وہی شیما بنت نفیلہ اسی حالت سے سامنے آئی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ میں اس کو پکڑ لیا اور کہا یہ وہی عورت ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیا ہے۔خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ پر مجھ سے گواہ طلب کئے میں نے دو گواہ پیش کئے جب وہ میرے قبضہ میں آ گئی تو اس کا بھائی میرے پاس آیا کہ شیما کو قیمت لے کر دے

دومیں نے کہا کہ دس سو سے کم میں ہرگز نہ دوں گا۔اس نے ہزار درہم دے کر لے گیا۔لوگوں نے کہاتم نے کیا کیا اگر لاکھ درہم مانگتے تو وہ تمہیں دیتا میں نے کہا مجھے خبر نہ تھی کہ دس سو سے زیادہ بھی کوئی عدد ہوتا ہے۔(الخصائص الکبریٰ، ذکرالمعجز ات فیما اخبر بہ)

عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو خلعت خلافت پہنائیگا اور لوگ چاہیں گے کہ تم اس کواُتار دیں تو تم ہرگز ان کی بات نہ مانو۔قسم ہے اگرتم وہ خلعت اوتار دو گے تو ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے۔

فرمایا بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے مدینہ کوئی چیز نہیں غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے کوفہ کی اقامت اختیار کی۔(الخصائص الکبریٰ، ذکرالمعجز ات فیما اخبر بہ)

ابوذر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مکانات سلع تک (جو ایک پہاڑ ہے مدینہ طیبہ میں) پہنچ جائیں تو تم شام کی طرف چلے جانا اور میں جانتا ہوں کہ تمہارے امراءتمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔عرض کیا ان لوگوں کو قتل نہ کروں جو آپ کے حکم میں حائل ہوں؟ فرمایا نہیں ان کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ غلام حبشی ہو جب وہ حسب ارشاد شام گئے ،معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں کو شام میں بگاڑ رہے ہیں۔عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بلالیا پھر وہ وہاں بھی نہ رہ سکے، ربذہ کو چلے گئے۔وہاں کا حاکم عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ایک روز نماز کی جماعت قائم ہوئی، غلام نے چاہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ امامت کریں۔آپ نے کہا کہ تم ہی آگے بڑھو کیونکہ تم غلام حبشی ہو اور مجھے حضرت کا حکم ہو چکا ہے کہ غلام حبشی کی اطاعت کروں۔(الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجز ات فیما اخبر بہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ابن ملجم نے زخمی کیا، آپ نے اثنائے وصیت میں فرمایا جتنے اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں سب کی خبر حضرت نے مجھے دی ہے۔یہاں تک کہ یہ میرا زخمی ہونا اور معاویہ کا مالک ملک ہونا

اوران کا بیٹا ان کا جانشین ہونا پھر مروان کی اولاد یکے بعد دیگرے وارث ہونا اور بنی امیہ کے خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں حکومت کا منتقل ہونا، مجھے معلوم کرادیا اور وہ خاک بھی بتلادی جس میں حسین قتل ہوں گے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا اور معاویہ سے صلح کرلی۔

فرمایا میرے اہل بیت کیلئے حق تعالیٰ نے آخرت پسند کی ہے۔ میرے بعد ان کو بلاؤں کا سامنا ہوگا، نکالے جائیں گے، قتل کئے جائیں گے۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجز ات فیما اخبر بہ)

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ بعض امہات المومنین خلیفۂ وقت سے جنگ کرنے کو نکلیں گے اور حَوَاب (نام مقام) کے کتے ان کو دیکھ کر بھوکیں گے۔ عائشہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہنسیں۔ آپ نے فرمایا اے حُمیرا دیکھو کہیں تم ہی نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ جب یہ تمہارے قبضہ میں آجائیں تو نرمی سے پیش آنا اور ان کے گھر ان کو پہنچادینا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باءرادہ مقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب حَوَاب کو پہنچیں کتے بھونکنے لگے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حواب سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آگیا اور فوراً واپس ہونے کا ارادہ کرلیں مگر زبیر رضی اللہ عنہ نے ترغیب دی کہ شاید آپ کی وجہ سے مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ غرض جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا وہ سب ظہور میں آیا۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجز ات فیما اخبر بہ)

حضرت نے زبیر سے فرمایا تھا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کروگے اور تم ظالم ہوگے۔ جنگ جمل میں زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے۔ آپ نے ان سے کہا کہ میں قسم دے کر تم سے

پوچھتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز تم اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے حضرت نے تم سے پوچھا کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو تم نے کہا کونسی چیز اس سے مانع ہے فرمایا تم ان سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا واقعی میں بھول گیا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گئے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے فرمایا کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔ حضرت کی وفات کے بعد ایکبار وہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ امید منقطع ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ غشی ہوئی جس سے سب گھر والے رونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں بچھونے پر مروں گا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت نے مجھے فرما دیا ہے کہ گروہ باغی مجھے قتل کرے گا۔ آخر حضرت علی اور معاویہ کے جنگ میں ان کو معاویہ کے لوگوں نے شہید کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے اور قتل بھی کئے جاؤ گے اور داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگیں ہو گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بقصد عراق اونٹ پر سوار ہو رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام آئے اور کہا کہ آپ اگر عراق کو جائیں تو آپ کو تلوار کا سخت زخم لگے گا۔ فرمایا خدا کی قسم یہی بات حضرت نے مجھ سے بھی فرمائی تھی۔ معاویہ سے فرمایا کہ جب تمہیں خلافت کا لباس پہنایا جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہو گی سوچو کہ اس وقت کیا کرو گے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا میرے بھائی خلیفہ ہوں گے فرمایا ہاں لیکن اس میں بہت شر و فساد ہوں گے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ حکم ابن ابی العاص کا گذر ہوا۔ حضرت نے فرمایا میری امت کو اس شخص سے جو اس کی پیٹھ میں ہے بڑی بڑی مصیبتیں پہنچیں گی۔

کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ مروان بن الحکم کی وجہ سے مسلمانوں کو کیسی کیسی مصیبتیں پہنچیں۔ دراصل بانی فساد یہی تھا جس کی وجہ سے اہل مصر برہم ہوئے اور واقعہ شہادت عثمان

رضی اللہ عنہ کا پیش آیا اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جتنی لڑائیاں ہوئیں سب کا ظاہری منشا یہی شہادت تھی جس کا باعث مروان ہوا۔ غرض مروان اسلام کے حق میں ایک بلائے جانکاہ تھا۔

ایک بار معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا بہت سے فتنے تیرہ وتار پے در پے ہونے والے ہیں ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں تم گنتے جاؤ، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ایک ایک فتنہ کا نام لیتے تھے اور میں انگلیوں پر گنتا تھا۔ چنانچہ پانچواں فتنہ یزید کا بیان کر کے فرمایا **لا یبارک اللّٰہ فی یزید** اور چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے۔ فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر مجھے دی گئی اور ان کی قتل گاہ اور ان کے قاتل کا نام بھی مجھے معلوم ہے۔ اس کے بعد اور فتنے بیان کر کے دسواں ولید کا فتنہ بیان فرمایا کہ وہ ایک فرعون ہوگا کہ اسلام کے شرائع کو ڈھائے گا۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں ولید کا حال لکھا ہے کہ وہ 125ھ میں خلیفہ ہوا اور ہمیشہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ شراب خوری کی یہ کیفیت کہ ایک حوض شراب سے بھرا رکھتا تھا جب خوش ہوتا اس میں کود پڑتا اور خوب سا پیتا۔ ایک بار حج کا ارادہ اس غرض سے کیا کہ کعبہ شریف کے سقف پر جا کر شراب پیئے۔ ایک روز لونڈی کے ساتھ مرتکب ہو کر بیٹھا تھا کہ موذن نے اذان دی۔ کہا خدا کی قسم آج اس لونڈی کو امام بنادوں گا۔ چنانچہ اپنا لباس اس کو پہنا کر مسجد کو بھیجا اور حالت جنابت میں اس نے امامت کی۔ ایک بار قرآن کریم کی فال دیکھی یہ آیت نکلی "وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ" (ابراہیم۔15) برہم ہو کر قرآن شریف کو پارہ پارہ کر دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

اَتُوعِدُ كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ فَهَا اَنَا ذٰلِكَ جَبَّارٌ عَنِيۡدٌ

اِذَا مَاجِئۡتُ رَبَّكَ يَوۡمَ حَشۡرٍ فَقُلۡ يَا رَبِّ مَزَّقَنِي الۡوَلِيۡدُ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لائے، حاضرین سے

فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو مکروہ نہ جانو جب وہ تم میں نہ رہیں گے تو مثل حنظل کے سر لُڑکا کریں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ 60ھ اور لڑکوں کی امارت نہ دکھائیو اُن حضرات کی پیشن گوئی کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر پہلے ہی دی تھی چنانچہ ایک بار فرمایا کہ یہ امر یعنی اسلام کا معاملہ سیدھا اور قائم رہے گا۔ اس وقت تک کہ ایک شخص ہی بنی اُمیہ سے جس کا نام یزید ہے اس میں سوراخ اور رخنہ ڈالے گا۔ (تاریخ الخلفاء، معاویۃ بن ابی سفیان)

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حرہ پر ہوا جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے۔ حضرت کھڑے ہوگئے اور انا للّٰہ پڑھا صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا اس مقام پر میری امت کے بہتر اور عمدہ لوگ قتل کئے جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت میں مقام حرہ پر صرف علماء سات سو قتل ہوئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔

سعید بن مسیّب نے کہا کہ خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دو عمر کسی نے پوچھا دوسرے عمر کون؟ کہا قریب ہے کہ تم پہچان لو گے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ دوسرے عمر، عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ سعید ابن مسیّب کا انتقال ان کے دو سال پہلے ہوا اس لئے وہ بتلا نہ سکے۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بنی امیہ پر لعنت مت کرو ان میں ایک صالح امیر ہیں، یعنی عمر بن عبدالعزیز۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھیں۔

فرمایا قیامت تک تیس جھوٹے نکلیں گے جن میں مسیلمہ عنسی اور مختار ہیں اور عرب میں بدتر قبیلے بنی امیہ اور بنی ثقیف ہیں۔ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص بیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ وہ اچھوں سے کوئی اچھی بات قبول کرے گا نہ بروں کی خطا معاف کرے گا بلکہ جاہلیت کا سا حکم کرے گا۔

ابوالیمان کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ حجاج ثقفی نکلنے والا ہے جس کے اوصاف انہوں نے بیان کردیئے۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ مسیلمہ کذاب عنسی مختار اورحجاج کیسے بلائے بے درمان تھے جن کی خبر حضرت نے دی ہے۔

فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو لوگ عیلان کہیں گے، اس کا ضرر ابلیس کے ضرر سے بڑھا ہوا ہوگا۔ یہ شخص دمشق میں تھا، مذہب قدریہ کواس نے ایجاد کیا، اس کا قول تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں آدمی اپنے فعل کا آپ مختار اور خالق ہے۔

خوارج کے قتل کا واقعہ اوپر مذکور ہوا جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے اور سب پیشیں گوئیاں بلا کم وکاست ظہور میں آئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ایک آگ نکلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آگ 654ھ میں نکلی تھی۔ خلاصۃ الوفا میں لکھا ہے کہ اکابر محدثین مثل امام نووی اور قطب قسطلانی وغیرہ نے جواس زمانہ میں موجود تھے۔ اس آگ کے حالات میں مستقل رسالے لکھے ہیں اور اہل شام کے نزدیک اس آگ کا نکلنا بتواتر ثابت ہے۔ اس کا واقعہ مواہب اللدنیہ اور خلاصۃ الوفا وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک آگ مقام ہیلا میں پیدا ہوئی جو مدینہ منورہ سے شرق کے جانب ایک منزل پر واقع ہے۔ اس آگ کا طول چار فرسخ یعنی سولا میل اور عرض چار میل تھا اور بہیئت مجموعی ایک وسیع آگ کا شہر نظر آتا تھا جس کے اطراف فصیل اور اس کے اوپر کنگرے اور برج آگ کے محسوس تھے اور ارتفاع میں اس قدر تھی کہ مکہ معظّمہ کے لوگوں نے اس کو دیکھا اور بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں اس سے چمکتی تھیں جب اپنے مقام سے وہ حرکت کی تو جس پہاڑ پر اس کا گذر ہوتا اس کو گلا دیتی اور بڑھتی ہوئی مدینہ تک پہنچی۔ دو یا تین مہینے حد حرم پر رہی۔ قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں یعنی 27 رجب کو وہ آگ بجھی۔

خوارج کے متعلق پیشیں گوئیاں اوپر مذکور ہوئیں اور ان کے وقوع کا حال بھی معلوم ہوا۔

اسی طرح وہابیوں کے فتنہ کی بھی پوری پوری خبریں حضرت نے دیں۔ چنانچہ الدار السنیہ میں شیخ دحلان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ کے باب میں صحیح صحیح احادیث وارد ہیں۔ بعض بخاری اور مسلم میں ہیں اور بعض دوسری کتابوں میں۔ ان میں سے چند حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ قَالَ النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْفِتْنَۃُ مِنْ ھٰھُنَا اَلْفِتْنَۃُ مِنْ ھٰھُنَا وَ اَشَارَ اِلَی الْمَشْرِقِ ۔ یعنی فرمایا کہ فتنہ ادھر سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ وَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَامِنَا وَ بَارِکْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ فِیْ نَجْدِنَا قَالَ ھُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَ بِھَا یَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطَانِ ۔ (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق)۔ مختصراً یعنی ایک بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے نجد کیلئے بھی دعا فرمائے۔ ارشاد ہوا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور شیطان کا سینگ وہاں سے نکلے گا۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ سَیَظْھَرُ مِنْ نَجْدٍ شَیْطَانٌ تَتَزَلْزَلُ جَزِیْرَۃُ الْعَرَبِ مِنْ فِتْنَتِہٖ ۔ یعنی فرمایا قریب ہے کہ ظاہر ہوگا نجد کی طرف سے ایک شیطان جس کے فتنہ سے جزیرۂ عرب متزلزل ہوجائے گا۔ وَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ لَا تَجَاوُزَ تَرَاقِیْھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ لَا یَعُوْدُوْنَ فِیْہِ حَتّٰی یَعُوْدُ السَّھْمُ اِلٰی فُوْقِہٖ سِیْمَا ھُمُ التَّحْلِیْقُ ۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قراءۃ الفاجر والنفاق)۔ یعنی فرمایا بہت سے لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ ہرگز دین میں نہ لوٹیں گے اور یہ نشانی ان کی سر منڈوانا ہے۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِی ھٰذَا (اَیْ ذِی الْخُویصرۃ اَوْ فِیْ عَقْبِ ھٰذَا) قَوْمًا یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ

مِنَ الرَّمِيَّةِ يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَ يَدْعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ ۔(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکرالخوارج وصفاتہم) یعنی ذوالخویصرہ تمیمی کے خاندان سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگران کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ اہل اسلام کو وہ قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

شیخ دحلان نے الدار السنیہ میں اس قسم کے اور روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی قبیلہ تمیم کا ایک شخص تھا۔ 1143ھ میں اس کا فتنہ نجد سے شروع ہوا۔ اول تو لوگوں کو خالص توحید کے طرف بلاتا اور شرک کی مذمتیں بیان کرتا تھا۔ جب اہل اسلام نے سادگی سے اس کا اتباع قبول کرلیا اور رفتہ رفتہ ایک گروہ بن گیا تو اس نے قتل وغارت شروع کردیا اور ظالمانہ طریقہ سے بزور شمشیر تسلط بڑھاتا گیا یہاں تک کہ حرمین شریفین بلکہ کل جزیرہ عرب پر اس گروہ کا تسلط ہوگیا۔ حالت ان کی یہ تھی کہ جمیع انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور کسر شان کے ساتھ ان کو نہایت دل چسپی تھی، شہدا اور اولیاء اللہ کی قبریں کھدوا کر نجاستیں بھردی جاتی تھیں۔ دلائل الخیرات اور اوراد واذکار کی کتابیں اور بزرگان دین کے تذکرے جلادیئے جاتے تھے اور ضروریات دین سے یہ بات ٹھہرائی گئی تھی کہ 600ھ چھ سو سے اس طرف جتنے علما وسادات ومشائخین واولیاء اللہ ہوئے ہیں سب کی تکفیر کی جائے اگر اس میں کوئی تامل کرتا تو فوراً قتل کردیا جاتا۔ غرض ان ملحدانہ اور ظالمانہ حرکات سے تمام جزیرۂ عرب 1227ھ تک ایک تہلکۂ عظیم میں گرفتار تھا۔ اس نے اپنے ہم مشربوں کی علامت تحلیق رأس قرار دی تھی اگر کوئی سر نہ منڈواتا تو اس کو اپنے گروہ میں نہ سمجھتا۔ اس باب میں اس کو اس قدر اصرار تھا کہ عورتوں کو بھی سر منڈوانے پر مجبور کیا۔ آخر ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سر کے بال ایسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھیاں، مرد لوگ اگر داڑھیاں منڈوا دیں تو ہمارا سر منڈوانا بجا ہوگا۔ اس جواب سے لاجواب ہوکر عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ

کر دیا۔غرض اس کا نجدی اور خاندان بنی تمیم سے ہونا اور مدینہ کے شرقی جانب سے جونجد اسی جانب میں واقع ہے، نکلنا اور بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرنا اور تمام جزیرۂ عرب اس کے فتنہ سے متزلزل ہونا اور قرآن کریم کا کوئی اثر اس قوم کے دل میں نہ ہونا اور تحلیق کو اپنے گروہ کی علامت قرار دینا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بلا کم و کاست ظہور میں آیا۔بعض احادیث میں وارد ہے کہ آخری زمانہ کے مسلمان بنی اسرائیل کی پیروی کریں گے اور بعضوں میں مطلقاً امم سابقہ کی تصریح ہے جن میں نصاری اور فارسی بھی شریک ہیں۔اس پیشین گوئی کا وقوع ظاہر ہے کہ اس زمانے کے مسلمان نصاری کی کس قدر پیروی کر رہے ہیں۔کھانا، پینا، لباس وضع رفتار، گفتار، نشست برخواست وغیرہ جمیع امور معاشرت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوتا۔باوجود یہ کہ موچھیاں بڑھانے میں سخت وعید وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی شفاعت نہ کریں گے مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں۔صرف انگریزی دانوں کی تقریریں سن کر علوم اسلامی میں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔حکمت جدیدہ کا اگر کوئی مسئلہ پیش ہوگیا تو قبل اس کے کہ اس کی دلیل معلوم کریں۔قرآن وحدیث پر اعتراض ہونے لگتے ہیں نہایت ذہین اور محقق وہ شخص مانا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں تحریف وتاویل کر کے نئے خیالات کے مطابق کردے۔نصاریٰ اپنے مکانات کی آرائش تصاویر سے کیا کرتے ہیں، مسلمانوں نے بھی وہی اختیار کیا حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے ''لَاتَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَلَا تَصَاوِیْرُ '' (صحیح البخاری، کتاب اللباس، والزینۃ باب لا تدخل الملائکۃ) متفق علیہ اور جبرئیل علیہ السلام کا قول حضرت نے نقل فرمایا کہ ''لاتدخل بیتا فیه کلب ولا صورة ''یعنی جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔مرزا صاحب کے مریدوں کے گھر میں ان کی تصویر ضرور رہا کرتی ہے اور مرزا صاحب نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی عادت یہودیوں کی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے

''یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ''(نساء۔46)یعنی کلمات کواپنے مقام ومعانی سے دوسرے طرف پھیر دیتے ہیں۔مرزا صاحب نے اوران کے پہلے سرسید صاحب نے وہی اختیار کیا جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ یہاں چند تحریفیں جو مرزا صاحب نے کی ہیں لکھی جاتی ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ظاہر ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ 665 میں لکھتے ہیں کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہرایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا کیونکہ قرآن وحدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اورقرآن کریم انھم لایرجعون کہہ کر ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے ان کورخصت کرتا ہےاورقصہ عُزَیر وغیرہ جوقرآن کریم میں ہےاس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم و غشی بھی آیاہے دیکھو قاموس اور جوعزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہےاوراس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہےاور پھراس میں جان ڈالتا ہے۔ ماسوااس کےکسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ عُزَیر دوبارہ زندہ ہوکر پھر بھی فوت ہوا۔پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرورکہیں اس کے موت کا ذکر ہوتا۔انتہیٰ۔

جس آیت شریفہ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ ''أَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَافَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ

نَکْسُوْھَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''۔ (بقرہ۔259) ترجمہ یا جیسے وہ شخص کہ گذرا ایک شہر پر جو گر پڑا تھا اپنے چھتوں پر بولا کہاں جِلاوے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے۔ پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا۔ کہا تو کتنی دیر رہا بولا میں رہا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ کہا نہیں بلکہ رہا تو سو برس اب دیکھ اپنا کھانا، پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے۔ اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت۔ پھر جب اس پر ظاہر ہوا تو بولا میں جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تفسیر درمنشور میں مستدرک حاکم اور بیہقی وغیرہ کتب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد جب زندہ کئے گئے تو پہلے حق تعالیٰ نے ان کی آنکھیں پیدا کیں جن سے وہ اپنے ہڈیوں کو دیکھتے تھے کہ ایک دوسرے سے متصل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ان پر گوشت پہنایا گیا۔ اور اسی میں ابن عباس اور کعب اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور سو برس تک وہ مردہ رہے جب زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو ان کے پوتے بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اس لئے کہ مرتے وقت آپ کی عمر چالیس ہی برس کی تھی۔ اس کے سوائے اور کئی روایتیں اس مضمون کی مؤیّد درمنشور میں موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب ان احادیث کو نہیں مانتے اور آیت شریفہ میں جو ''**فَأَمَاتَہُ اللّٰہُ**'' ہے اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو سلا دیا یا بیہوش کر دیا۔

یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ عزیر علیہ السلام کو استبعاد کس امر کا تھا سو کے اٹھنے کا یا مردے زندہ ہونے کا۔ اس آیۃ شریفہ میں تو ''**أَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا**'' سے صاف ظاہر ہے کہ احیائے اموات کا استبعاد تھا اور ظاہر ہے کہ یہ استبعاد سو کے اٹھنے یا بیہوشی سے ہوش میں آنے سے ہرگز دور نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی یہ توجیہ کہ موت بمعنی نوم

یا غشی ہے کیونکر صحیح ہوگی۔ ہاں سو برس کی نیند یا بیہوشی کے بعد اٹھنا البتہ ایک حیرت خیز بات ہے مگر اس سے بھی ان کا استبعاد احیا دور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ موت ظاہراً اعدام محض ہے اور نوم و غشی طویل میں صرف طول عمر ہی جو قابل استبعاد نہیں اور طول عمر پر اعادہ معدوم کا قیاس بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر اگر ناقص نظیر کے طور پر اس کو مان بھی لیں تو اس تطویل مدت کا ان کو مشاہدہ بھی نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے جواب میں انہوں نے یہی عرض کیا کہ **لبثت یوماً اوبعض یوم** یعنی تقریباً ایک دن گذرا ہوگا جس کے بعد ارشاد ہوا کہ سو برس گذر چکے ہیں۔ اس کی تصدیق بھی انہوں نے ایمانی طور پر کی جیسے احیائے اموات کی تصدیق پہلے سے ان کو حاصل تھی۔ البتہ ان کا استبعاد اس طور سے دور ہوسکتا تھا کہ بچشم خود مردہ کو زندہ ہوتے دیکھ لیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پہلے ان کی آنکھیں زندہ کی گئیں جس سے انہوں نے خود اپنے تمام جسم کے زندہ ہونے کو دیکھ لیا، پھر گدھے کے زندہ ہونے کو دیکھا جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اگر ان کے استبعاد کے دور کرنے کا وہی طریقہ بیان کیا جائے جو مرزا صاحب کہتے ہیں تو عوام الناس کو خصوصاً منکرین حشر کو بڑا موقع اعتراض کا ہاتھ آجائے گا کہ حق تعالیٰ میں احیائے اموات کی نعوذ باللہ قدرت ہی نہیں کیونکہ اگر قدرت ہوتی تو ایسے موقع میں کہ نبی استبعاد ظاہر کر رہے ہیں ضرور اس کا اظہار ہوتا جس سے وہ اعتراف کر لیتے مگر جب ہمیں ان کا اعتراف یقیناً معلوم ہوگیا جیسا کہ اس قصہ کے اخیر میں ہے "**فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** "(بقرہ۔259) تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ در حقیقت انہوں نے اپنے اور اپنے گدھے کے مر کر زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ورنہ تَبَیَّن درست نہ ہوگا۔

مرزا صاحب کا مذاق چونکہ فلسفی ہے اور اکثر فلسفہ کے خلاف میں جو آیات و احادیث وارد ہوتے ہیں ان کو رد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے باب میں لکھے ہیں کہ اس کو نہ فلسفہ قدیمہ قبول کرتا ہے نہ فلسفہ جدیدہ اس لئے وہ محال

ہے۔اسی طرح عُزَیر علیہ السلام کی پہلی موت اوراس کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ہر چند نوم وغشی کے معنی سباق وسیاق کے بالکل مخالف ہیں مگر مذاق فلسفیانہ کی مخالفت کی وجہ سے اس کی کچھ پروانہ کرکے بیہوشی کے معنی لیتے ہیں۔

یہاں حیرت اس امر کی ہوتی ہے کہ فلسفہ نے یہ اجازت کیونکر دی کہ آدمی بغیر کھانے پینے کے سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ رہنے میں تو بڑا ہی زور لگایا کہ کیا وہاں ظروف بھی ہوں گے، مطبخ بھی ہوگا، پائخانہ بھی ہوگا۔معلوم نہیں اس سو برس کیلئے جس کے چھتیس ہزار دن ہوتے ہیں مطبخ وغیرہ کی کیا فکر کی گئی۔مرزا صاحب ہیں بڑے ہوشیار اگرچہ لکھا نہیں مگر اس مائۃ عام میں کوئی نہ کوئی نکتہ معتقدین کیلئے سینہ بہ سینہ ضرور رکھا ہوگا۔چونکہ ان کی طبیعت نکتہ رس حساب جمل وغیرہ سے اکثر کام لیتی ہے۔چنانچہ اپنی عیسویت کو غلام احمد قادیانی کے اعداد سے ثابت کر ہی دیا کہ اس نام کے تیرہ سو عدد ہیں اور دنیا میں اس نام والا کوئی شخص نہیں اس لئے خود عیسیٰ موعود ہیں۔تعجب نہیں کہ اس مقام میں بھی اسی قسم کا نکتہ پیش نظر ہوگا کہ یہاں لفظ سنۃ حول اور خریف وغیرہ چھوڑ کر لفظ عام استعمال کیا گیا اور لفظ عام کے اعداد (111) ہیں چونکہ یہ شکل بارہ کیلئے موضوع ہے اسی وجہ سے تمام گھڑیوں میں یہی شکل بارہ کیلئے مخصوص کی گئی ہے کہ جب کانٹا اس شکل پر آتا ہے تو بارہ بجتے ہیں اس سے قطعًا اور یقینًا ثابت ہے کہ بارہ گھنٹے وہ سورہے تھے اور قیلولہ کا وقت بھی بارہ ہی کا ہے۔ہر چند اس نکتہ میں مائۃ عام سے مائۃ کے معنی متروک ہوتے ہیں مگر نِکات میں سیاق و سباق کا لحاظ چنداں ضروری نہیں سمجھا جاتا۔جیسے اپنے نام کے صرف اعداد سے عیسویت کا ثبوت اسی بناء پر ہوتا ہے کہ نہ وہ سیاق میں ہے نہ سباق میں اور نیز اسی آیۃ شریفہ کے معنی سے جو مرزا صاحب کے اجتہاد سے پیدا ہوتے ہیں ابھی معلوم ہوگا یہ نکتہ تو ہمارے بادی الرائے میں سمجھا گیا، مرزا صاحب جو غور وتامل سے نکالے ہوں گے وہ اس سے زیادہ تڑپتا ہوگا۔

قولہ قرآن وحدیث دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔

ظاہر آیت موصوفہ اوراحادیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام بعدموت کے دنیامیں زندہ کیئے گئے اور دوسری آیت واحادیث سے ثابت ہے کہ ہزاروں آدمی بعدموت کے دنیامیں ہی زندہ کیئے گئے کما قال تعالیٰ ''أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ'' (بقرہ۔243) ترجمہ: تم نے نہیں دیکھا وہ لوگ گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو اللہ تعالیٰ نے مرجاؤ پھران کوزندہ کیا۔انتہیٰ۔ابن عباس وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے بکثرت روایتیں تفاسیر میں موجود ہیں کہ وہ لوگ چار ہزار تھے جو طاعون سے بھاگ کرکسی مقام میں ٹھہرے تھے۔حق تعالیٰ نے سب کو مارڈالا پھرکئی روز کے بعد حزقیل علیہ السلام کی دعا سے وہ سب زندہ ہوئے۔اب دیکھئے کہ قرآن وحدیث کی گواہی سے ہماراحق ثابت ہورہاہے یامرزاصاحب کامگراس کا کیا علاج کہ مرزاصاحب نہ حدیث کو مانتے ہیں نہ قرآن کو۔(قولہ قرآن ''انھم لایرجعون کہہ کرہمیشہ کیلئے اس دنیاسے ان کورخصت کرتا ہے)پوری آیت شریفہ یہ ہے ''وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ'' (انبیاء۔95) یعنی جس گاؤں کو ہم لوگ ہلاک کرتے ہیں وہ پھرنہیں لوٹتے۔اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ہلاک کی ہوئی بستیاں خودمختاری سے نہیں لوٹتیں کیونکہ لا یرجعون بصیغۂ معروف ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی کوزندہ کرنا چاہے تونہیں کرسکتا۔ابھی قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ ہزارہا مردوں کوایک وقت میں حق تعالیٰ زندہ کردیا۔قولہ عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پرگوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ درحقیقت الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کوزندہ کرتاہے اوراس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اورپھرجان ڈالتاہے۔یہاں بھی مرزاصاحب نے عجیب لطف کیا ہے کہ نہ وہاں گدھامرا ہوا تھا نہ اس کی ہڈیاں تھیں بلکہ ایک عورت کارحم پیش نظر تھا جس کے اندر ہڈیوں پر گوشت چڑھ رہاتھا کیونکہ حق تعالیٰ عزیر علیہ السلام کی طرف خطاب کرکے فرمایا ''اُنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ''(بقرہ۔259)اس سے معلوم ہوا کہ رحم کی طرف وہ دیکھ رہے ہوں گے مگر قرآن شریف میں کوئی لفظ یہاں ایسا نہیں ہے جس سے معنی رحم کے سمجھ میں آئیں اور جب گدھے کے زندہ ہونے اوراس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھنے سے کوئی تعلق نہیں اور رحم کی حالت جداگانہ بتلانا منظور تھا تو معلوم نہیں کہ اُنْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ (بقرہ۔259) کہہ کر صرف گدھے کو بتلادینے سے کیا مقصود تھا کیا گدھا بھی کوئی ایسی چیز تھا کہ اس وقت اس کا دیکھ لینا ان کوضروری تھا۔ پھر بھی اس کا ذکر بھی بڑے اہتمام سے قرآن شریف میں کیا گیا ہے کہ ان کو گدھا دکھلایا گیا تھا، گدھے تو اب بھی ہر قسم کے موجود ہیں اس گدھے میں ایسی کونسی بات تھی جس کی حکایت کی جارہی ہے۔اب اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ جن ہڈیوں پر گوشت چڑھائے جانے کا ذکر ہے وہ مردہ گدھے کی ہڈیاں تھیں یا رحم کے بچے کی اور صورت ثانیہ یہ بھی غورطلب ہے کہ ہڈیاں رحم میں پہلے بنکراس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے یا گوشت پہلے بنتا ہے۔اگراہل انصاف صرف اسی بحث کو کرّات ومرّات بغور ملاحظہ فرمائیں تو مرزا صاحب کی قرآن فہمی کا حال بخوبی واضح ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ اپنی بات بنانے کو وہ کس قدر کلامِ الٰہی میں تصرف کرتے ہیں یوں تو معتزلہ وغیرہ اہل ہوا بھی قرآن شریف میں تاویل کرتے ہیں مگر مرزا صاحب کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے قولہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہوکر پھر بھی فوت ہوا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہ تھی۔

مطلب یہ ہوا کہ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا جوذکر ہوا اس کے بعد دوسری ان کی موت کا ذکر نہیں۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ بَعَثَهُ اللّٰهُ سے مراد اس عالم کی زندگی نہیں بلکہ اس عالم اخروی میں زندہ ہونا مراد ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ أَمَاتَهُ اللّٰهُ سے مراد موت حقیقی لی گئی حالانکہ اس کا انکار کرکے نوم وغشی کے معنی ابھی بیان کرآئے ہیں۔اصل یہ ہے کہ ان کو امانت سے کام ہے نہ بعثت سے جہاں کوئی موقع مل گیا الٹ پھیر کرکے اپنی جمائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی توجیہات کے مطابق آیۂ موصوفہ کی تفسیر سنیئے کہ عزیر علیہ السلام نے احیائے اموات پر استبعاد ظاہر کیا اس پر حق تعالیٰ نے ان کو بیہوش کر دیا اور عالم اخروی میں ان کو زندہ کر کے پوچھا کہ کتنے روز تم کو مر کر ہوئے انہوں نے کہا تقریباً ایک روز۔ ارشاد ہوا کہ سو برس تم کو مر کر ہوئے دیکھو تمہارا کھانا پینا متغیر نہیں ہوا اور گدھے کو دیکھ لو اور رحم میں دیکھو کہ بچے کے ہڈیوں پر کس طرح ہم گوشت چڑھاتے ہیں، یعنی مرنے کے سو برس بعد اس کا استبعاد دور ہو گیا۔ معلوم نہیں سو برس تک وہ کہاں رہے اس عالم سے تو مر ہی گئے تھے اور اس عالم میں سو برس کے بعد زندہ ہوئے۔ پھر کھانا پینا بھی ساتھ ساتھ گویا سفر آخرت کا توشہ تھا جس کے دیکھنے کا حکم ہوا اور گدھا جو دکھلایا گیا کیا وہ بھی شاید سواری اس سفر کی تھی بھلا یہ زادِ راہ اور سواری تو قرین قیاس بھی ہے کہ آخر سفر کا لازمہ ہے مگر رحم کے بچے کو دیکھنے میں تامل ہوتا ہے کہ اس کی وہاں کیا ضرورت تھی۔ بہرحال مرزا صاحب کے ان حقائق و معارف قرآنی کو ہم ہدیہ ناظرین کر دیتے ہیں وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ قرآن شریف میں مرزا صاحب کیسے کیسے تصرفات اور تحریفات کرتے ہیں۔ لفظ أَمَاتَ میں تحریف کی پھر لَا يَرْجِعُوْنَ میں پھر أُنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ میں پھر نَكْسُوْهَا لَحْمًا میں (بقرہ۔259)۔ اگرچہ ہنوز اس میں غور و فکر کی گنجائش ہے مگر بنظر ملال ناظرین اسی پر اختصار کیا گیا۔ مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

فی الحقیقت مرزا صاحب نے قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان اس میں ان کا ہم پلہ ہو سکے کیونکہ یہ بیچارے اس حدیث شریف کے لحاظ سے نار دوزخ سے خائف اور لرزاں ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)۔ یعنی فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی قرآن میں اپنی

رائے سے کچھ کہے تو اپنی جگہ دوزخ میں بنالے اور مرزا صاحب کو اس کا کچھ خوف نہیں کیونکہ مذاق فلسفی میں اس نار کا تو وجود ہی نہیں پھر اس سے خوف کیا ہے۔

ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں "اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَاءِ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" یعنی کفار کہتے ہیں تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آئیں گے ان کو کہدے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارُ الابتلا میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھادے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لیجائے۔

مرزا صاحب نے خودغرضی سے اس آیت شریفہ میں اختصار و حذف وغیرہ کیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے "وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ، قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" ترجمہ: بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرادے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آ اللہ اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جائے تجھ کو ایک ستھرا گھر یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے چڑھنا جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک لکھا جو پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا۔ انتہیٰ۔ اب اس پوری آیت پڑھنے کے بعد بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسم

خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے جب تک وہ تدبیر نہ کی جائے جو مرزا صاحب نے کی۔ انہوں نے اپنی کامیابی کا یہ طریقہ نکالا کہ جو جملے اپنے مدعا کے مخالف ہوں ان کو نکال دور کر کے چند متفرق الفاظ اکھٹے کئے اور کہہ دیا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا ثابت ہے۔ دیکھ لیجئے تمام آیت میں سے أَوْ تَرْقَى کا جملہ لے لیا اور لَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ کو حذف کر کے قل سبحان کے جملہ کے ساتھ اس کی جوڑ لگادی تا کہ اس ترک و حذف سے اصل مضمون خبط ہو کر نیا مضمون پیدا ہو جائے، چونکہ مرزا صاحب کو یہ ثابت کرنا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے۔ اس لئے انہوں نے کفار کے کل درخواستوں کو چھوڑ دیں کیونکہ ان میں چند چیزیں ایسی بھی ہیں کہ اہل اسلام کے پاس ممکن الوقوع ہیں مثلاً چشمہ کا جاری کرنا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے کر دکھایا تھا اور کھجور اور انگور کا باغ اور سنہری مکان حضرت کیلئے تیار ہو جانا کوئی مشکل بات نہ تھی گو کفار کے پاس یہ چیزیں بھی محال تھیں ان کو خوف ہوا کہ اگر کسی کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے گی تو حضرت کا آسمان پر جانا بھی انہیں نظائر میں سمجھ لیں گے اور مقصود فوت ہو جائے گا۔ أَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ کے بعد کا جملہ یعنی وَ لَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا کو اس واسطے حذف کیا کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی درخواست تھی اور ترقی کے جواب میں هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا سے جب یہ استدلال ہو کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا تو وہی جواب حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا کا بھی ہے۔ اس سے بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کتاب بھی نازل نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن شریف برابر نازل ہوتا تھا اور اکثر کفار اس کا اعجاز دیکھ کر منزل من اللہ سمجھتے اور ایمان لاتے تھے۔

ہر چند مرزا صاحب نے تحریف کا الزام اپنے ذمہ لیا مگر اس سے بھی انکا مطلب ثابت نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر کے لئے اتنی ہی آیت فرض کیجئے جس کا ترجمہ انہوں نے استدلال میں پیش کیا ہے یعنی "وَ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عِلينا كِتابًا نَقْرَؤُهُ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ''اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کفار نے حضرت سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تو ان کو یہ جواب ملا کہ میں تو ایک بشر ہوں یعنی خدا نہیں کہ اپنی ذاتی قدرت سے ایسے خوارق عادات ظاہر کروں اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اگر کسی جسم کو آسمان پر لے جائے تو اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ رہا یہ کہ عادت نہیں تو جتنے معجزات ظہور میں آئے تھے سب خوارق عادات تھے۔ کوئی کم فہم بھی اس جملہ سے کہ (میں تو ایک بشر رسول ہوں) یہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ عادت نہیں کہ خدا جسم خاکی کو آسمان پر لیجائے اب دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب کی تحریف اور عبارت آرائی نے کیا نفع دیا۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر　　بباد رفت وازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست

اس بے تکے استدلال سے تو یہ استدلال کسی قدر قریب الفہم ہوگا کہ ان کے جواب میں حضرت نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں کوئی عامی شخص نہیں بلکہ میں بشر رسول ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب معراج جسم خاکی سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جس کی تصدیق صدہا حدیثیں کر رہی ہیں اور تمامی امت کا اجماع ہے مرزا صاحب گو فلسفہ پر کامل اعتقاد ہونے کی وجہ سے معراج کا انکار کرتے ہیں مگر کوئی مسلمان جس کو خدا کی قدرت پر ایمان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار کو سچے سمجھتا ہے وہ تو ہرگز انکار نہیں کرسکتا۔

چونکہ مرزا صاحب کو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو گھٹانے کی یہاں ضرورت تھی اس لئے ''هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ''(سورۂ اسراء۔93) کے ترجمہ میں رسول کے لفظ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا کہ (میں بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک آدمی) تا کہ اردو پڑھنے والوں کا خیال رسالت کی طرف منتقل ہی نہ ہو کیونکہ رتبۂ رسالت الٰہی عمومًا وفطرۃً

معظم ومکرم سمجھا گیا ہے اسی وجہ سے کفار اس رتبے کے مستحق ملائکہ کو سمجھتے تھے چنانچہ ان کا قول کما قال تعالیٰ ''لَوۡ لَا أُنۡزِلَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا'' (فرقان۔7) اور صرف بشر کی وجہ سے ''إِنۡ أَنۡتُمۡ إِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا'' (ابراہیم۔10) کہہ کر انبیاء کی رسالت میں کلام کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے خیال کیا کہ اگر لفظ رسول ترجمہ میں شریک کیا جائے تو مبادا کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ حضرت کو جب رسالت کی قوت اعجازی دی گئی تھی تو ممکن ہے کہ آسمان پر جانے کی قدرت بھی ہو اسی وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو ترجمہ میں ترک ہی کر دیا۔

مرزا صاحب نے آیت موصوفہ میں سبحان ربی کی توجیہ یہ کی کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الابتلا میں ایسے کھلے کھلے نشانیاں دکھلائے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ کھلے کھلے قدرت کی نشانیاں دکھانا خدائے تعالیٰ کی نسبت ایک ایسا سخت عیب ہے جس سے تنزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی یہ قدرت نمائیاں عیب ٹھرائی گئی ہیں یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ جس میں کوئی کمال ہو اس کا ظاہر کرنا کمال مستحسن سمجھا جاتا ہے، پھر خدائے تعالیٰ کی قدرت جو غایت درجہ کا کمال ہے اس کا اظہار کس وجہ سے نقص اور عیب ہوگا غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ عیب نعوذ باللہ حق تعالیٰ پر جو لگایا گیا ہے اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ اس سے مرزا صاحب کی عیسویت کو صدمہ پہنچتا ہے اس لئے کہ اگر جسم خاکی آسمان پر جا سکے تو عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت ہو جاتی ہے، پھر مرزا صاحب کو کون پوچھے۔ غرض سبحان ربی سے یہ مطلب نکالنا صرف تحریف ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب سوال کوئی بے موقع اور بدنما ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ لفظ بطور تعجب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے بھی ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے ''عَنۡ عَائِشَةَ أَنَّ امۡرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنۡ غُسۡلِهَا مِنَ الۡحَيۡضِ فَأَمَرَهَا كَيۡفَ؟ تَغۡتَسِلُ قَالَ خِذِيۡ فُرۡصَةً مِنۡ مِسۡكٍ فَتَطَهِّرِيۡ بِهَا

قَالَتْ كَيْفَ؟ أَطَّهَّرُ لَا قَالَ تُطَهِّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ؟ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تُطَهِّرِيْ فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَّى فَقُلْتُ تَتَبَّعِيْ أَثْرَالدَّمِ'' (صحیح البخاری، **كتاب الحيض، باب ذلك المرأة إذا تطهر من المحيض و كيف تغتسل و تأخنه فرصه**)،ترجمہ یعنی ایک عورت نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حیض کا غسل کس طرح کیا جائے۔ فرمایا کہ ایک کپڑے کے تکڑے میں مشک لگا کر اس سے پاک کر۔ کہا کیسے پاک کروں۔ فرمایا پاک کر پھر اس نے پوچھا کیسا فرمایا سبحان اللہ پاک کر۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر تدبیر بتلادی۔ اب دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس بے موقع سوال کے جواب میں بطور تعجب یہ لفظ فرمایا اسی طرح کفار کے ان بے موقع اور مہمل سوالوں کے جواب میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہ سوال بے موقع اس وجہ سے تھے کہ حضرت نے یہ دعویٰ کب کیا تھا کہ اپنی خود مختاری سے تمام خوارق عادات ظاہر فرمادیں گے، حضرت تو ہمیشہ اپنی عبودیت کے معترف تھے۔ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت اور تعلّی ثابت کرنے کیلئے کیا کیا دقتیں پیش آرہی ہیں کبھی تمام علمائے اسلام کو مشرک بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور حق تعالیٰ پر عیب لگانے کی احتیاج نعوذ باللہ ذلک۔

اس تقریر سے ایک اور امر مستفاد ہے کہ مرزا صاحب معجزات کے بھی قائل نہیں۔ اس لئے کہ معجزات تو وہی ہوتے ہیں جو قدرت الٰہیہ کی نشانیاں ہوں اور قدرت بشری سے خارج ہوں پھر جب ایسی نشانیوں کا اظہار عیب اور خدائے تعالیٰ کو اس سے منزہ سمجھنے کی ضرورت ہو تو ممکن نہیں کہ ان کا وقوع ہو سکے۔ اس صورت میں بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث جو معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء سے بھری ہوئی ہیں نعوذ باللہ سب کو جھوٹی سمجھنا پڑے گا بلکہ خود قرآن کریم میں بھی جو معجزات اور خوارق عادات مذکور ہیں وہ بھی بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ

ہوں گے۔ ہر چند مرزا صاحب اپنے کو ہم خیال معتزلہ کا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ضروۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں معتزلہ وغیرہ کے قول کو مسیح کے وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں مگر معجزات کے انکار سے ظاہر ہے کہ مذاق فلسفی میں سر سید صاحب کے بھی ہم خیال ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ انہوں نے جس قدر دینی مسائل میں تفرقہ اندازی کی مقصود اس سے بظاہر مسلمانوں کی دنیوی خیر خواہی تھی اور مرزا صاحب کو اس سے بھی کچھ کام نہیں چاہے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں مگر ان کی مجددیت امامت مہدویت عیسویت وغیرہ جم جائے تو بس ہے۔ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمد جلالی نامی ہے اور احمد جمالی اور احمد و عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کے رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کے طرف یہ اشارہ ہے۔ ''مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ أَحْمَدُ'' (الصّف۔6) مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں۔ یعنی جامع جلال و جمال ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی قدرت بیان کر کے اپنا الہام بیان کیا۔ ''وَجَعَلْنَاكَ مَسِيْحَ ابْنِ مَرْيَمَ'' اس کے بعد لکھا کہ جو عام طور پر مشائخ و علماء ہیں ان میں موت روحانی پھیل گئی اس کے بعد لکھا کہ اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیش گوئی موجود ہے۔ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس کی مدت ٹھہرائی ہے بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت ''وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْن'' جس کے بحساب جمل 1274 عدد ہیں اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی بشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عدد میں بحساب جمل پائی جاتی ہے۔

جس آیت کو مرزا صاحب نے ذکر کیا وہ یہ ہے ''وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَد'' ترجمہ جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچانے والا، تصدیق کرنے والا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔

مرزا صاحب آپ اور عیسیٰ جمالی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے مصداق ہونے سے خارج کر رہے ہیں مگر ان کو ضروری تھا کہ پہلے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کر دیتے کہ عیسیٰ اور احمد جمالی نام ہیں اور محمد جلالی اس کے بعد یہ ثابت کرنے کی بھی ضرورت تھی کہ جمالی نام والے کی پیش گوئی جمالی نام والے کے واسطے ہونا ضروری ہے اس میں جلالی نام والا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ مرزا صاحب کی خودسری بھی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ احادیث کی وقعت تو ان کے پاس اتنی بھی نہیں جتنی صدیق حسن خان صاحب کے قول کی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، رہا کلام اللہ اس کی حالت بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس رسول کی بشارت دی جس کا نام احمد ہے اور وہ کہتے ہیں نہیں وہ غلام احمد قادیانی کی بشارت ہے۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی احمد بھیجا گیا پھر ایک الہام کا جوڑ لگا کر کہ (وَجَعَلْنَاکَ مَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ)

لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن کریم میں پیش گوئی موجود ہے یعنی آیت شریفہ ''وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ أَحْمَدُ'' اپنے آنے کی پیش گوئی ہے اس لئے کہ الہام سے آپ مسیح ابن مریم ہیں، اور احمد عیسیٰ جمالی معنی کے رو سے ایک ہی ہیں تو جو احمد کی پیش گوئی ہے وہی عیسیٰ کی پیش گوئی ہوئی۔ اس سے حاصل مطلب

صاف ظاہر ہے کہ ’’رَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ أَحْمَدُ‘‘ سے مراد غلام احمد ہے جو عیسیٰ ابن مریم بھی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں۔

قولہ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں۔ یعنی اگر حضرت کا نام صرف احمد ہی ہوتا تو ممکن تھا کہ اس پیش گوئی سے کچھ حصہ مل جاتا کیونکہ آخر خود بھی تو احمد ہیں اور جب حضرت کا نام صرف احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہے تو آپ بالکل اس سے بے تعلق ہیں اس لئے کہ جلال و جمال سے مرکب ہونے کی وجہ سے خالص جمال نہ رہا جو عیسیٰ میں تھا اور پیشن گوئی اسی وقت صادق آئے گی کہ عیسیٰ کی حقیقت بھی اندر موجود ہو جیسا کہ لکھتے ہیں برطبق پیش گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔

اس تحقیق سے ایک قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کسی کی نسبت پیش گوئی کرتے ہیں تو ان کی حقیقت اس میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ عیسیٰ کی حقیقت مرزا صاحب میں۔ بے احادیث صحیحہ سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کل انبیاء نے دجال کی پیشن گوئی کی ہے اس قاعدہ کے رو سے مرزا صاحب کے اعتقاد میں یہ بات ضرور ہوگی کہ کل انبیاء کی حقیقت اس دجال میں ہے جس کے قتل کرنے کیلئے مرزا صاحب آئے ہیں مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب مرزا صاحب کو افضل کہنا چاہئے یا پادریوں کو کیونکہ مرزا صاحب میں تو صرف حقیقت عیسوی ہے اور پادریوں میں بحسب قاعدہ مذکورہ تمام انبیاء کی حقیقت ہے۔

قولہ اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرف یہ اشارہ ہے ’’وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ‘‘ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے آنے والوں کا نام احمد ہو وہ غلام احمد ہو۔

یا احمد بیگ یا احمد خان سب مثیل عیسیٰ ہوں گے یا ان میں کوئی ما بہ الامتیاز بھی ہے اگر بالکل تعمیم کی جائے تو مرزا صاحب کی شیخی باقی نہیں رہتی اور اس تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں جس سے مرزا صاحب ہی داخل ہوں لیکن جب ہم آیت شریفہ کو دیکھتے ہیں تو وہ بزبان فصیح کہہ رہی ہے کہ وہ خاص رسول ہے جس کا متبرک نام احمد ہے نہ ان میں کوئی غلام ہے نہ بیگ نہ خان اس کے بعد مرزا صاحب کا اس غرض سے کہ خود بھی شریک ہو جائیں یہ کہنا کہ آنے والے کا نام احمد رکھا گیا ہے غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے ہر چند مرزا صاحب نے اس میں آنکھ بچا کر داخل ہونے کی یہ تدبیر نکالی کہ لفظ رسول کو چھوڑ کر صرف آنے والے کا نام احمد ہے لکھ دیا تا کہ لوگ رسالت کے دعوے سے چونک نہ جائیں مگر سمجھنے والے سمجھ ہی جاتے ہیں ۔

چشم مخمور تو دارد ز دلم قصد جگر   ترک مست است مگر میل کباب دارد

اگر یہ کہتے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے اور میں وہی ہوں تو ہر طرف سے دار و گیر شروع ہو جاتی مگر داخل ہونے کے بعد چپ نہ رہ سکے دبی آواز میں رسالت کا دعویٰ بھی کر ہی دیا چنانچہ اسی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں آخری زمانہ میں بھیجا گیا تا کہ اس آیت شریفہ کا پورا مصداق بن جائیں اور ''رَسُوْلٌ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اِسْمُہٗ اَحْمَدُ'' (الصّف۔6) میں کوئی کسر نہ رہ جائے یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ ''وَ اَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ'' (الحجر۔22) اور ''اِنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیَاطِیْنَ'' (مریم۔83)' وغیرہ بھی فرمایا ہے جب ہوائیں اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ بھیجا کرتا ہے تو اگر مرزا صاحب نے اپنے کو بھیجا گیا ہوں کہا تو کونسی بری بات ہوگئی اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع ہر چیز کو خاص کام کیلئے حق تعالیٰ بھیجا کرتا ہے مثلاً ہواؤں کو پانی برسانے کیلئے۔ اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہئے کہ کس کام کیلئے بھیجے گئے ہیں وہ ایک جلیل القدر شخص ہیں اس واسطے تو نہیں بھیجے گئے ہوں گے کہ

زراعت وغیرہ میں لگائے جائیں کیونکہ انہوں نے زمین داری چھوڑ کر علمی خدمت اختیار کی ہے جس سے ہدایت یا ضلالت متعلق ہے اگر ''إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ'' (مریم۔83) کے مد میں داخل ہیں تو ممکن ہے کیونکہ شیاطین کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی قیامت تک گمرہ کرنے والے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے مگر مرزا صاحب اس کو قبول نہ کریں گے اور یہی فرمائیں گے کہ میں ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں جس سے مقصود یہ کہ رسولوں کے زمرہ میں شریک ہوں تو یہ بات اہل اسلام ہرگز قبول نہیں کرسکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کیلئے تمام مدعیوں کو مایوس کردیا۔غرض میں بھیجا گیا ہوں کہنا ان کا سوائے دعوئے رسالت کے اور کوئی بات نہیں اور یہ دعوے بمقتضائے مقام ان کو لازم بھی تھا اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت شریفہ کے مصداق نہ ہوئے تو بقول مرزا صاحب ضروری ہوا کہ وہ اس کے مصداق بنیں ورنہ خبر قرآنی خلاف واقع ہوجاتی تھی اور وہ خود کہتے بھی ہیں ''رَسُوْلٌ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ'' (الصّف۔6) سے اپنی طرف اشارہ ہے۔غرض اس تقریر سے اور نیز بعض الہامات سے جس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے مثلاً ''إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (الاعراف۔158) سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو دعوئے رسالت ضروری ہے۔

اب ہم یہاں نہایت ٹھنڈے دل سے گزارش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مدعی رسالت ہیں اور جو مدعی رسالت ہو وہ دجال ہے۔صغرا کا ثبوت ابھی معلوم ہوا اور کبریٰ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہے ''قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِنْ ثَلٰثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)، رواہ احمد والبخاری و مسلم ابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ کذا فی کنز العمال۔یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک جھوٹے دجال قریب تیس کے نہ نکلیں گے سب کا دعویٰ یہی ہوگا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

شکل اول سے یہ نتیجہ نکلا کہ غلام احمد قادیانی دجال ہے تو پہلے ہی ایسا نام رکھا گیا کہ وہ مادۂ تاریخ اس خدمت کا بن سکے یعنی مسمائے غلام احمد قادیانی بشکل اول دجال ہو تو ان کے نام نامی سے مادہ تاریخ اس خدمت کی نکل آنا ایک مناسبت کے ساتھ ہوگا بخلاف اس کے کہ اس عدد سے عیسویت ثابت کی جائے جیسا کہ مرزا صاحب نے کی ہے اب مرزا صاحب جو ازالۃ الاوہام میں لکھے ہیں کہ (گورنمنٹ انگریزی دجال ہے) سو اس سے کیا فائدہ۔قولہ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس مدت ٹھہرائی الخ پہلے اس آیت کے بتلانے کی ضرورت تھی کہ چودہ سو برس تک مسیح کبھی نہ کبھی نکل آئے گا اور اگر حساب جمل سے نکل آنے کا نام قرارداد مدت ہے تو جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان کے اعداد نکال کر دیکھ لیجئے کہ چودہ سو برس پر انحصار نہیں ہوسکتا پہلے سب سے زیادہ مستحق اعداد نکالنے کیلئے وہ آیت ہے جس میں حقیقت عیسیٰ یعنی احمد آنے کا ذکر ہے، یعنی آیت **وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ** (الصّف۔6)۔مگر اس میں سولہ سو نکلتے ہیں چونکہ اس میں بہت سے تخرجہ کی ضرورت ہے اس لئے مرزا صاحب اپنے کام میں اس کو نہ لا سکے جب ان کو اس مضمون کی کوئی آیت نہ ملی جس میں عیسیٰ یا احمد کا ذکر ہو تو بہ مجبوری یہ آیت اختیار کی ''**وَإِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ**'' (المؤمنون۔18)،جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے لیجانے پر قادر ہیں اب یہ نہیں معلوم کہ کس کے لے جانے پر قادر ہیں کیونکہ آیت تو پوری ذکر ہی نہیں کی جس سے ضمیر کا مرجع معلوم ہو اس لئے کہ اس کے اعداد بہت بڑھ جاتے ہیں اس الہام کو انہوں نے اس طرح اٹھایا کہ اس میں اسلامی چاند کے سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ ہے جس سے ہر شخص سمجھ جائے کہ ضمیر چاند کی طرف پھرتی ہے اور چاند جانے سے سلخ ہوجاتا

ہے مگر پوری آیت جو دیکھی گئی تو اس میں چاند کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ ہم آسمان سے اندازہ کا پانی برسا کر اس کو زمین میں رکھتے ہیں پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہم اس کو بھی لیجانے پر قادر ہیں کما قال تعالیٰ ''وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۢبِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ'' (المؤمنون۔18)۔اس صورت میں مرزا صاحب نے 1274 کے عدد کی آیت جو اس غرض سے نکالی تھی کہ اپنے ظہور کے پیشتر اسلام کا چاند ڈوب جائے گا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی تحریف کی ضرورت پڑی کیونکہ بہٖ کی ضمیر کو چاند کی طرف پھیر دی جس کا ذکر ہی نہیں تا کہ جہال اعتبار کر کے سمجھ لیں شاید اوپر اس کا ذکر ہوگا پھر غلام احمد قادیانی سے یہ نکالا کہ تیرہ سو برس میں عیسیٰ نکلے گا اب دیکھئے کہ اس سلسلہ تقریر کی ابتدا یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہے اس میں یہ تحریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتی پھر یہ بات بتائی کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ چودہ سو برس تک عیسی نکلے گا پھر اس بات کے ثابت کرنے کیلئے کہ عیسیٰ تیرہ سو برس میں نکل پڑا ایک آیت پیش کی کہ قرآن سے ثابت ہے کہ 1274 میں اسلام کا چاند غروب کرے گا حالانکہ نہ اس میں چاند کا ذکر ہے نہ 1274 کا پھر اپنے نام کے مجرد اعداد 1300 سے یہ مطلب نکالا کہ عیسیٰ کے نکلنے کا سنہ یہی ہے معلوم نہیں کہ اس سنہ کے ساتھ عیسیٰ کو کیا مناسبت پہلے کوئی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ 1300 میں نکلے گا اس کے بعد اگر یہ نام کے اعداد لکھے جاتے تو ایک شاعرانہ مضمون کی دلیل بن سکتی اس تقریر سے تو وہ بھی نہ بنی۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ ایجاد کیا ہے کچھ کمی وزیادتی کر کے آیت یا حدیث کو اپنے مطلب کی تائید میں لے لیتے ہیں یہ طریقہ کوئی قابل تحسین نہیں۔ اکثر آزاد غیر متدین بھی کام کیا کرتے ہیں مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں اور یہ الہام (اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا

مِنَ الْقَادِيَانِ وَ بِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ وَ كَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا) جو براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے بصراحت اور باآواز بلند ظاہر کررہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں بمہ پیش گوئی ضرور موجود ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِنَ الْقَادِيَانِ) تو میں نے سن کر بہت تعجب سے کہا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے تب انہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہوا ہے۔تب میں نے نظر جو ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن کریم کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ مدینہ قادیان مرزا صاحب کے دعوے عیسویت پر جب یہ اعتراض ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے تو انہوں نے خود یہ سوال کر کے اس کا جواب دیا کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ امام حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کے نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا ہمرنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں کلام نہیں ہوگا اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت اور سچی مشابہت سے تنبیہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ کہا گیا تا کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آجائے جس میں لخت جگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کے طرح کمال درجہ کے ظلم اور جور و جفا کے راہ سے دمشقی اشقیا کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدائے تعالیٰ اس دمشق کو جس سے ایسے ظلم پر احکام نکلتے تھے اور جس سے ایسے سنگدل اور سیاہ درون لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے تشابہ بتا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ

کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی ہی میں آتے رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ لعنت کی جگہ کو برکت کے مکانات بناتا رہتا ہے۔ اس استعارہ کو خدائے تعالیٰ نے اس لئے اختیار کیا کہ پڑھنے والے دو فائدہ اس سے حاصل کریں ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیش گوئی اشارہ کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی اس کی عظمت اور وقعت دلوں پر کھل جائے دوسرا یہ کہ تا یقینی طور پر معلوم کر جائیں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کے کام انہوں نے کئے ایسا ہی جو مسیح آنے والا ہے دراصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کے روحانی حالت کا مثیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے کہ جس کے دل میں حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہئے ہر ایک شخص اس دمشقی خصوصیت کو جو ہم نے بیان کی ہے کمال انشراح صدر سے ضرور قبول کریگا اور نہ صرف قبول بلکہ اس مضمون پر نظر امعان کرنے سے حق الیقین تک پہنچ جائے گا۔

اس تقریر میں مرزا صاحب نے کئی امور ثابت کئے ہیں۔

1) قرآن شریف میں قادیان کا نام موجود ہے۔

2) قادیان و دمشق میں مشابہت معنوی ہے۔

3) حدیث شریف میں قادیان بلفظ دمشق بیان کیا گیا۔

4) دمشق کے لوگ ظالم ہونے کی وجہ سے قادیان میں برکت پھیلی اور عدل کا ہیڈ کوارٹر ہوا۔

5) عیسیٰ علیہ السلام کے دمشق میں اترنے کی پیش گوئی جو حدیث شریف میں ہے لفظ دمشق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا اشارہ ہے۔

6) یہ بات یقینی طور سے معلوم ہوگئی کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔

قرآن میں قادیان کا نام تلاش کرنے کی ضرورت مرزا صاحب کو اس وجہ سے ہوئی کہ ''انا انزلناہ قریبا من القادیان '' کا الہام ہوا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور باآواز بلند ظاہر کررہاہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔

اس سے ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ الہام میں جس چیز کا نام ہو وہ نام قرآن میں ضرور ہوا کرتا ہے اگر صرف یہی ایک آیت ''انا انزلناہ قریبا من القادیان '' قرآن میں بڑھادی جاتی تو چنداں فکر کی بات نہ تھی یہ ایک مصیبت تھی کسی طرح نمٹ لی جاتی مگر اس قاعدہ نے تو کمر ہی توڑ دیا کہ جو چیز الہام میں ہو وہ قرآن میں بھی ہوگی۔ مرزا صاحب کے الہاموں کا سلسلہ ایک مدت دراز سے جاری ہے اور ابھی اس کے ختم ہونے کی توقع بھی نہیں بلکہ زیادتی ہی کا اندیشہ ہے اس لئے کہ جس قدر پختگی بڑھتی جائے گی الہاموں کی آمد زیادہ ہوگی اور اگلے پچھلے الہاموں کی آیتیں بڑھتی جائیں گی جس سے بجائے خود ایک دوسرا قرآن تیار ہو جائے گا۔ قادیان والی آیت ایک عالم کو برہم کررہی ہے جب وہ پوٹ کا پوٹ نیا قرآن نکلے گا تو معلوم نہیں کیسی قیامت برپا کرے گا۔

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم   کہ پریشانی این سلسلہ را آخرت نیست

اس الہام میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ انا انزلناہ کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے اگر قرآن کی طرف ہے تو چندان مضائقہ نہیں اس لئے کہ جو قرآن قادیان میں اترتا ہے اس میں قادیان کا نام بے موقع نہ ہوگا مگر مرزا صاحب کا اس پر راضی ہونا دشوار ہے وہ تو یہی فرمادیں گے کہ اگر جعلی قرآن میں بھائی صاحب نے یہ آیت بڑھادی تو لطف ہی کیا رہا۔ عظمت و شان قادیان تو جب ہوگی کہ قرآن قدیم میں یہ آیت بڑھے اسی وجہ سے یہ لکھتے ہیں کہ قادیان کا نام اعزاز کے ساتھ مثل مکہ و مدینہ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے اور انزلناہ کی

ضمیر مسیح وغیرہ کی طرف پھر نہیں سکتی اس لئے کہ اس کا ذکر پہلے نہیں جو شرط ضمیر غائب ہے اور اگر یہی مطلب ہوتا تو مثل دوسرے الہاموں کے انزلناک بصیغۂ خطاب ہوتا یا مرزا صاحب خود کہہ دیتے کہ انا انزلناہ کی ضمیر میری طرف پھرتی ہے اور جہاں قرآن شریف میں انا انزلناہ اور بالحق **إنّا انزلناہ و بالحق نزل** وارد ہے، قرآن شریف کی طرف ضمیر پھرتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انا انزلناہ کی ضمیر قرآن ہی کی طرف پھرتی ہے مگر جب واقعہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن قریب قادیان نہیں اتارا گیا اور ہم مرزا صاحب پر بھی جھوٹ کا الزام نہیں لگا سکتے کہ بغیر الہام ہونے کے کہہ دیا کہ مجھ پر یہ الہام ہوا اب سخت دشواری یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سچے کہیں تو قرآن کا قادیان میں اترنا واقع کے خلاف ہے اور اگر واقعہ کا لحاظ کریں تو مرزا صاحب جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ مگر تطبیق وتوفیق کی ضرورت نے ہمیں ایک ایسا کھلا راستہ دکھلا دیا کہ ہم اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے وہ یہ کہ انا انزلناہ کا کہنے والا کوئی دوسرا ہی ہے جس کی تصدیق خود مرزا صاحب ہر جگہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں جب کہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ ومرد وفرد کو شیطانی الہام ہوا تو دوسرے عامتہ الناس اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ ان کو الہام ضرور ہوا اور قرآن شریف کا قادیان میں اترنا بھی نہیں لازم آتا البتہ صرف اتنی جرأت کی ضرورت ہے کہ وہ الہام شیطانی مان لیا جائے اور یہ چنداں بدنما بھی نہیں اس لئے کہ جب ہم خلاف واقع اور جھوٹ کے مقابلہ میں اس کو لا کر دیکھتے ہیں تو بمصداق **من ابتلی بلبتین فیختارا ھونھما** کے اس کو الہام شیطانی سمجھنا مرزا صاحب کو بھی مفید ہے اس لئے کہ جھوٹا رسول ہرگز نہیں ہو سکتا جس کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے اور نہ مجدد وامام زمان کی یہ شان ہے کہ خلاف واقعہ یا جھوٹ کوئی خبر دے رہا الہام شیطانی سو

بقول مرزا صاحب بڑے بڑے لوگوں کو ہو چکا ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اس صورت میں مرزا صاحب اپنی ذات سے بری الذمہ ہو جائیں گے کہ جو کچھ انہوں نے واقعہ میں دیکھا کہہ دیا اس سے کیا بحث کہ دکھانے والا کون تھا وہ فعل مرزا صاحب کا نہیں جو اس کے ذمہ دار ہوں بلکہ دکھانے والا قابل مواخذہ ہوگا ہر چند وہ اپنی برأت ظاہر کرے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "کَمَثَلِ الشَّیْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ إِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنکَ إِنِّیْ أَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ" (الحشر۔16)۔ مگر مواخذہ سے وہ بری نہیں ہوسکتا جیسا کہ اسی آیت شریفہ کے آخر میں ہے "فَکَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِی النَّارِ" (الحشر۔17)۔

البتہ ایک الزام مرزا صاحب کے ذمہ عائد ہوگا کہ انہوں نے الہام شیطانی اور رحمانی میں فرق نہ کیا مگر اہل دانش اس باب میں بھی ان کو معذور رکھ سکتے ہیں کہ الہام ایک کیفیت وجدانی کا نام ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے میں احساس کرتا ہے یہ کیا معلوم وہ کہاں سے آئی جب شیطان الہام کرنے پر قادر ہے تو وہ ایسا بے وقوف نہیں کہ اپنا نام اس الہام کے وقت بتا کر خبردار کر دے جس سے اس کا مقصود فوت ہو جائے۔ غرض اس الہام کو شیطانی کہیں تو مرزا صاحب کے ذمہ اس کا قصور عائد نہیں ہوسکتا مگر مرزا صاحب کو یہ فرمانا سزاوار نہیں کہ قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے مرزا صاحب کو اپنے الہام و مکاشفہ پر کس قدر وثوق ہے جو لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔ چنانچہ اوپر معلوم ہوا۔ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اپنے مکاشفہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ سے کس قدر بڑھا رہے ہیں اور کس قدر اپنی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس باب میں بیان کر

رہے ہیں مگر آخری زمانہ کے مسلمانوں کو اس کی کیا پروا۔ وہ لکھتے ہیں کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت معنوی ہے اس لئے کہ امام حسین اور عیسیٰ علیھما السلام کے واقعے نہایت ہمرنگ ہیں مطلب اس کا یہ ہوا کہ قادیان مشبہ اور دمشق مشبہ بہ ہے اور وجہ شبہہ مظلومیت کا مقام ہونا۔ مرزا صاحب کو ضروری تھا کہ دونوں واقعوں کی ہمرنگی پہلے ثابت کرتے کیونکہ قرآن کریم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ مارے گئے نہ سولی پر چڑھائے گئے بلکہ نہایت عظمت و شان کے ساتھ شاداں وفرحاں آسمان پر چلے گئے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ قَوْلُهُ تَعَالٰى وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ'' (النساء۔ 157) اور اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام بحالت مظلومی سولی پر چڑھائے بھی گئے جیسے مرزا صاحب کہتے ہیں تو پہلے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر قادیان میں ظلم ہوا تھا تاکہ قادیان اور دمشق میں مشابہت ثابت ہو جو مقصود اس تقریر سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جاتا کہ امام حسین علیہ السلام دمشق میں مظلوم شہید ہوئے کیونکہ ان دونوں شہروں میں جو مشابہت بیان کی جارہی ہے اس میں وجہ شبہ یہی ہے کہ دونوں مظلومیت کے مقام ہیں اور اگر وجہ شبہ یہ ہے کہ اجرائے احکام ظلم کے مقام ہیں تو یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے احکام قادیان سے جاری ہوئے تھے جیسے دمشق سے امام حسین پر ظلم کرنے کے احکام جاری ہوئے اور یہ دونوں امر خلاف واقع ہیں یعنی نہ دمشق میں امام حسین پر ظلم ہوا نہ قادیان میں عیسیٰ علیہ السلام پر پھر ان دونوں واقعوں کے ہمرنگ ہونے سے قادیان و دمشق میں مشابہت کہاں سے آ گئی کیونکہ وجہ شبہ طرفین میں موجود نہیں حالانکہ مشابہت کیلئے اس کا طرفین میں موجود ہونا ضروری ہے۔

پھر مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ لفظ دمشق بطور استعارہ قادیان پر استعمال کیا گیا اس

حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے" **اذ بعث اللہ المسیح ابن مریم فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق**" یعنی عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے شرقی جانب منارہ کے پاس اتریں گے مقصود ان کا یہ ہے کہ دمشق سے مراد قادیان ہے عموماً اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ استعارہ ایک قسم کا مجاز ہے اس لئے کہ اس میں بھی لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل نہیں ہوتا اس وجہ سے وہاں ایسے قرینہ کی ضرورت ہے کہ معنی موضوع لہ مراد نہ ہونے کو صراحۃً بتلا دے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ شیر کو دیکھا ہوگا، یہ کوئی نہ سمجھے گا کہ کسی جوان مرد آدمی کو اس نے دیکھا ہے جب تک کوئی قرینہ اس پر قائم نہ کیا جائے اور اگر یوں کہے میں نے ایک شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا تو اس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اس نے شیر کو دیکھا نہیں بلکہ کسی جوان مرد آدمی کو دیکھا ہے کیونکہ تیر چلانا اس امر پر قرینہ ہے کہ شیر کے حقیقی معنی مراد نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک قرینہ قائم نہ ہو معنی حقیقی متروک نہیں ہو سکتے اب دیکھئے کہ اگر اس حدیث شریف میں دمشق کے حقیقی معنی متروک ہوتے اور قادیان اس سے مراد ہوتا تو اس پر کوئی قرینہ ضرور ہوتا حالانکہ کوئی قرینہ نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے اور قادیان اس سے مراد سمجھنا محض غلط ہے۔

اور نیز علم بیان میں مصرح ہے کہ استعارہ اعلام میں جائز نہیں مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص مکہ معظّمہ میں داخل ہوا اور اس سے یہ مراد لی کہ دہلی یا لکھنؤ میں داخل ہوا تو ہرگز صحیح نہیں اسی طرح دمشق سے قادیان مراد لینا صحیح نہیں شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ سخی کو حاتم کہنا صحیح ہے حالانکہ حاتم بھی ایک شخص کا نام تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حاتم سخاوت میں ایسا مشہور ہے کہ شخصی معنی کے طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ حاتم کہنا اور جواد کہنا برابر ہے۔

اس وجہ سے گویا علمی معنی اس کے متروک ہو گئے چنانچہ تمام کتب فن میں مصرح ہے

اور ظاہر ہے کہ دمشق میں یہ بات صادق نہیں آتی جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا بیان فرمایا اس وقت یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محل اجرائے احکام ظلم ہے بلکہ برعکس اس کے مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ نہایت عمدہ اور برگزیدہ مقام تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فضیلت اس کی بیان فرمائی تھی، چنانچہ صحیح روایتوں میں وارد ہے کہ شام اللہ تعالیٰ کے پاس تمام شہروں میں برگزیدہ اور پسندیدہ مقام اور خدائے تعالیٰ کے بہترین عباد کے رہنے کی جگہ ہے اور خاص دمشق کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ شام کے تمام شہروں میں دمشق بہتر ہے۔ اب غور کیا جائے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دمشق کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ اور تمام امت میں اس کی عمدگی مشہور ہوگی یا بقول مرزا صاحب اس کی خرابی کہ وہاں کے لوگ بدترین خلق ہیں اگر چند روز یزید نے ظلم کے احکام جاری کئے تو اس سے دمشق کی ذاتی فضیلت کو کیا نقصان جیسے ابوجہل وغیرہ سے مکہ معظّمہ کی عظمت میں کوئی نقص نہ آیا یہ تو قاعدہ ہے کہ جہاں اچھے لوگ بکثرت ہوتے ہیں چند برے بھی ہوتے ہیں بڑی حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دمشق کو اچھا اور اس میں رہنے والوں کی تعریفیں فرمادیں اور مرزا صاحب برخلاف اس کے یہ کہتے ہیں کہ وہ برا اور اس میں رہنے والے نہایت برے ہیں یہ کیسی بے باکی ہے کہ امتی ہونے کا دعویٰ اور اس پر یہ مخالفت نعوذ باللہ من ذلک۔ اب دیکھئے کہ نہ دمشق میں کوئی ذاتی برائی ہے نہ باعتبار واقعہ کے اس میں کوئی برائی آئی نہ قادیان و دمشق میں کسی بات میں مشابہت ہے نہ استعارہ دمشق کا علم ہونے کی وجہ سے صحیح ہوسکتا ہے مگر مرزا صاحب زبردستی نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث کو جھوٹی بنانے کی فکر میں ہیں کہتے ہیں کہ نہ عیسیٰ اتریں گے نہ دمشق ان کے اترنے کی جگہ ہے اگر عیسیٰ ہوں تو میں ہوں اور اگر ان کے اترنے کی جگہ ہے تو قادیان ہے یہاں مجنون کی

حکایت یاد آتی ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ خلافت امام حسین کا حق تھا یا یزید کا اس نے کہا کہ نہ ان کا حق تھا نہ اس کا میری لیلیٰ کا حق تھا، مرزا صاحب بھی چونکہ عیسویت کے عاشق ہیں اس قسم کی بات کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں مگر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے مجنونانہ مضامین کو قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے دمشق کو نشانہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی میں آتے رہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ قادیان مثیل دمشق ہے یعنی ظالموں کی بستی ہے اور ایسے بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اس لئے خود بدولت قادیان میں عدل پھیلانے کو آئے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں جبھی تو کہا کہ (انبیاء ایسی بستیوں میں آتے رہتے ہیں) اگر ختم نبوت کے قائل ہوتے تو آتے رہتے تھے کہتے جب قادیان کا ظالموں کی بستی ہونا ثابت کر کے کہا کہ ایسی بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں اس میں ایمان وعدل پھیلانے کو آیا ہوں اور نیز لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی احمد بھیجا گیا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا تو اب ان کے دعوے نبوت میں کیا شک ہے۔

مرزا صاحب نبوت کی طمع میں قادیان کے لوگوں کو زبردستی ظالم بنا رہے ہیں ہم نے تو نہ کسی سے یہ سنا کہ قادیان ظالموں کی بستی ہے نہ کوئی اس میں ظلم کا ایسا واقعہ کتب تو ریخ سے ثابت ہے کہ غیر معمولی طور پر یادگار رہو البتہ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب پر وہاں کے لوگوں نے یورش کی ہوگی مگر وہ بیچارے اس میں معذور ہیں کیونکہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال طبع کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ان کے علماء ومشائخ زمانہ پر گالیوں اور لعنت کی وہ بوچھاڑ کی کہ الامان جس کو آپ دیکھ چکے ان کی دینی کتابوں کو لکھا کہ

شرک سے بھری ہوئی ہیں ان کے اعلیٰ درجہ کے مقتدا یعنی صحابہ اور تابعین ومحدثین وغیرہم پر شرک کا الزام لگایا ان کے نبی کی شان میں جوایت وارد ہوئی اس کے مصداق خود بن بیٹھے ان کی کتاب یعنی قرآن شریف میں تحریف کر کے بگاڑنے کا گویا بیڑا اٹھایا۔نبوت ورسالت کا دعویٰ کر کے ان کے نبی کی ریاست کو جو قیامت تک قائم ہے چھیننا چاہا اس پر بھی اگر وہ لوگ برہم نہ ہوتے تو خدا اور رسول کے پاس ان کا نام کس زمرہ میں لکھا جاتا اور ہم چشموں میں ان کی کس درجہ کی بے حرمتی اور بے غیرتی ثابت ہوتی کیسا ہی بے غیرت مسلمان ہو ممکن نہیں کہ اتنی باتیں سن کر اس کی رگ حمیت جوش میں نہ آئے۔مرزا صاحب اگر گورنمنٹ کی حمایت میں نہ ہوتے تو دیکھتے کہ قادیان ہی کے لوگ کیا کرتے۔اب بھی کسی اسلامی سلطنت میں اپنے تصنیفات لے جائیں اور پھر دیکھیں کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔مرزا صاحب کو گورنمنٹ کا بہت شکریہ کرنا چاہیئے مگر بجائے شکریہ کے گورنمنٹ کو دجال کہتے ہیں جیسا کہ رسالۂ عقائد مرزا مطبوعہ امرتسر میں لکھا ہے اور وہ قادیان کی گورنمنٹ کو ظالم قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کو دمشق کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جیسے دمشق کی حکومت ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ظلم اور بیداد کے احکام جاری ہوئے قادیان کی حکومت سے بھی ایسا ہی ہوا، ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر دمشق میں ظلم نہیں ہوا جس سے مرزا صاحب کی مظلومیت قادیان میں بطور تشبیہ ثابت ہو۔لسان شرع شریف سے تو دمشق کی مدح ثابت ہے مگر مرزا صاحب اس کی مذمت اس بناء پر کرتے ہیں کہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس برس بعد ظلم ہوا حالانکہ حضرت نے شہادت کا واقعہ جو بیان فرمایا اس میں اگر دمشق کا نام بھی ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ شہر دارالظلم ہوگا برخلاف اس کے خاص طور پر صراحۃً دمشق کی تعریف کی جیسا کہ ابھی معلوم

ہوا اگر صرف اس بناء پر کہ کسی زمانہ میں کسی شہر میں ظلم ہوا اور ایسے شہر کا نام لینے سے اس ظلم کی طرف اشارہ ہوتا ہو تو یہ لازم آئے گا کہ جہاں مکہ معظّمہ کا نام قرآن وحدیث میں آئے ان تمام اذیتوں کی طرف اشارہ ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بارہ سال تک ہوتی رہیں جن کا حال متعدد احادیث میں موجود ہے۔ اہل اسلام پر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کا صدمہ اس قدر ہونا چاہیئے کہ اپنی یا اور کسی کی موت سے ہو چہ جائیکہ اتنی مدت مدیدہ تک پیہم صدمات وتکالیف شاقہ جاری رہے جس سے ہجرت کی نوبت پہنچے اگر ذکر مکہ سے اشارہ ان تمام اذیتوں کی طرف ہو تو وہ شہر مبارک بقول مرزا صاحب معاذ اللہ مبغوض ہونا چاہیئے حالانکہ نہ کسی حدیث سے مرزا صاحب اس کا مبغوض ہونا ثابت کرسکیں گے نہ کوئی مسلمان اس کو مبغوض کہہ سکتا ہے کیونکہ چند بدمعاشوں کے ظلم وزیادتی سے کوئی متبرک اور ممدوح شہر مبغوض نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب جو دمشق کو مبغوض قرار دے رہے ہیں صرف کارسازی اور خودغرضی ہے۔ مقصود صرف انکا یہ ہے کہ عوام الناس کو جو ظاہر میں ہوتے ہیں ایک واقعہ جانکاہ یاد دلا کر اس کی خرابی کی جہت کی طرف متوجہ کردیں اور ساتھ ہی وہی جہت قادیان میں قائم کر کے دمشق سے مراد قادیان لے لیں جس سے اپنی عیسویت جہلا کے پاس جم جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود صریح فوت ہو جائے اس لئے کہ مقصود اس حدیث شریف سے اسی قدر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے نہ اس کے سیاق وسباق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام ہے نہ دمشق کی خرابی نہ کسی طرف اشارہ ہے اب دیکھئے کہ یہ کیسی کھلی کھلی تحریف ہے۔

مرزا صاحب کو منظور تھا کہ قادیان کو دمشق ثابت کریں اس لئے یہ واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ قادیان کے لوگ یزیدی الطبع ہیں اگر اس کو مکہ بنانا منظور ہوتا تو یہ آیت شریفہ ''اِ نَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ''(اٰل عمران)

پیش کر کے وہی تقریر فرماتے کہ مکہ کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہاں نہایت ظلم ہوا اور قادیان میں ابوجہلی الطبع لوگوں نے اپنے پر ویسا ہی ظلم کیا اس لئے مکہ سے قادیان مراد ہے بمناسبت مردم یزیدی الطبع قادیان دمشق ہو تو مناسبت ابوجہلی الطبع قادیان مکہ بننے کو کیا دیر۔

مرزا صاحب کی غم خواری حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نسبت سلام روستائی سے کم نہیں ان حضرات کو ان امور سے کام ہی کیا۔ وہاں تو علانیہ بے دھڑک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراضات ہوتے ہیں کہ انہوں نے خواہ مخواہ سلطنت میں مداخلت کر کے مخالفت کی جیسا کہ صاحب عصائے موسیٰ نے مدلل لکھا ہے اور خط مولوی نورالدین صاحب جو مرزا صاحب کے اعلیٰ درجہ کے حوارین میں سے ہیں، نقل کیا ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ ''لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ '' (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب صلۃ المرأۃ أمہا وسہا زوج)، وارد ہے۔ حضرت امام اس حجر میں کیوں جا گھسے صحابہ کی مشورت کے خلاف کیوں کیا۔

لیجئے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حرکت و مخالفت قابل مواخذہ و اعتراض ٹھہرے تو یہ اظہار خوش اعتقادی غرض آمیز نہیں تو کیا ہے۔ اگر مرزا صاحب کی خوش اعتقادی دلی ہوتی تو ان کے مریدین کو کبھی ایسی تقریروں کی جرأت نہ ہوتی۔

تحریر فرماتے ہیں کہ یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئیگا۔ سبحان اللہ کجا دمشق کجا قادیان پھر طرفہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو یقین بھی آ گیا مرزا صاحب کو یقین ایسے باتوں کا ہوا کرتا ہے لیکن احادیث صحیحہ پر یقین نہیں آتا۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا ۔ یہ چند تحریفیں جو مرزا صاحب کی لکھی گئیں مشتے نمونہ از خرواری ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحسب فرصت وقت اور بھی لکھی

جائیں گی اس وقت اکثر احباب کی یہ رائے ہوئی کہ بالفصل یہ رسالہ ''انوارالحق'' جس قدر لکھا گیا طبع کرادیا جائے تاکہ جس کو توفیق ازلی ہو اس سے بہرہ یاب ہو اس لئے اس حصہ کو میں اس دعاء پر ختم کرتا ہوں کہ الٰہی بطفیل اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ جو راہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور صحابہ سے آج تک اہل سنت کا اس پر اتفاق واجماع رہا اس کی پیروی میں مصروف اور نئے نئے دین وائیں وخیالات سے محترز اور محفوظ رہیں آمین۔

●●●

اعــــــلان

شیخ الاسلام حضرت مولانا **حافظ محمد انوار اللہ فاروقی** قدس سرہ العزیز نے ۱۲۹۲ھ میں علوم اسلامیہ کی اشاعت ودین مبین کی حفاظت کے لئے جامعہ نظامیہ کوقائم فرمایا۔ **الحمد للہ** اپنے قیام سے تاحال جامعہ نظامیہ علم دین کی تعلیم و اشاعت میں مصروف ہے۔اس مرکزی علمی درسگاہ سے لاکھوں طالبان علم فیض یاب ہوئے اور انشاءاللہ العزیز تا قیام قیامت اس کا علمی فیض جاری رہے گا۔شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے جامعہ نظامیہ کے قیام کے بعد ۱۳۳۰ھ میں علوم اسلامیہ کی مفید و نادر تحقیقی اصلاحی اور معلومات آفریں کتب کی اشاعت کے لئے ایک ادارہ بنام ''مجلس اشاعت العلوم'' قائم فرمایا۔ **مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ** نے تفسیر،حدیث،فقہ،کلام،تصوف،فلسفہ اسلام،تاریخ وسیرت، اخلاق وفضائل،معجزات وکرامات،استعانت،ردوہابیت،ردقادیانیت،زیارت قبور،علم غیب،طبقات اولیاء،میلاد مبارک،رویت الٰہی،وحی،عشق ومحبت،سماع موتی،ندا،جواز قیام،وسیلہ،معراج مبارک وغیرہ جیسے اہم مسائل پرشیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ ودیگر علمائے اعلام کی مدلل وعمدہ تصانیف شائع کی ہیں جن کا مطالعہ ایمان ویقین اور عمل میں پختگی کا باعث ہے۔ نیز **شعبہ تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ** سے تنقیح وتصحیح کے بعد **نصاب اہل خدمات شرعیہ** کو بزبان اُردو وانگریزی شائع کیا گیا۔جومعتبر فقہی کتب سے ماخوذ اور عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے۔اس کتاب کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔اسی طرح الکلام المرفوع کوعربی زبان میں شائع کیا گیا۔نیز محدث دکن ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کی مشکوۃ شریف کے طرز پر فقہ حنفی کے احادیث شریفہ کی معرکۃ الاراءعظیم کتاب زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ بنام نور المصابیح شائع کیا گیا۔اوراب **انوار الحق** شائع کیا جارہا ہے

اطــــــلاع

مجلس اشاعت العلوم کے طباعتی پروگرام،ارکان کی امداد اور اہل خیر اصحاب کے عطیات سے تکمیل پاتے ہیں علم دوست اصحاب سے خواہش کی جاتی ہے کہ مجلس اشاعت العلوم کی ایک ہزارروپئے کی رکنیت قبول فرمائیں ۔ اراکین کو مجلس اشاعت العلوم کی جدید مطبوعات اصل لاگت پر اور قدیم مطبوعات ۳۳ فیصد رعایت کے ساتھ دی جاتی ہیں۔مجلس اشاعت العلوم کی تمام مطبوعات دفتر **مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ** شبلی گنج حیدرآباد سے 10 تا 4 ساعت دن حاصل کی جاسکتی ہیں۔نیز دکن ٹریڈرس مغلپورہ، چارمینار و چوک، گلزار حوض اور مکتبہ رفاہ عام گلبرگہ سے بھی کتب حاصل کی جاسکتی ہیں مزید تفصیلات مولانا حافظ محمد عبید اللہ فہیم صاحب قادری الملتانی شریک معتمد مجلس اشاعت العلوم سے فون نمبر **24416847** پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

المعلن

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ و معتمد مجلس اشاعت العلوم۔رجسٹرڈ ۱۰۵۹